PUNJAB TEXTBOOK

# میری کتاب

# 4



# اُردو کی چوتھی کتاب



پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، لاہور

منظور کردہ: قومی ریویو کمیٹی، وفاقی وزارتِ تعلیم (شعبہ نصاب سازی) اسلام آباد، پاکستان۔

## فہرست




مصنفین: ☆محمد اسحاق جلالپوری ☆ڈاکٹر اصغر علی شیخ ☆الطاف فاطمہ ☆ڈی۔ایم شفیقی عہدی پوری

ترمیم و اضافہ: ☆اللہ وسایا اختر ☆جمیل حسین ☆مسز ریحانہ احمد

مدیران: ☆محمد اسحاق جلالپوری ☆سید سجاد حسین بخاری



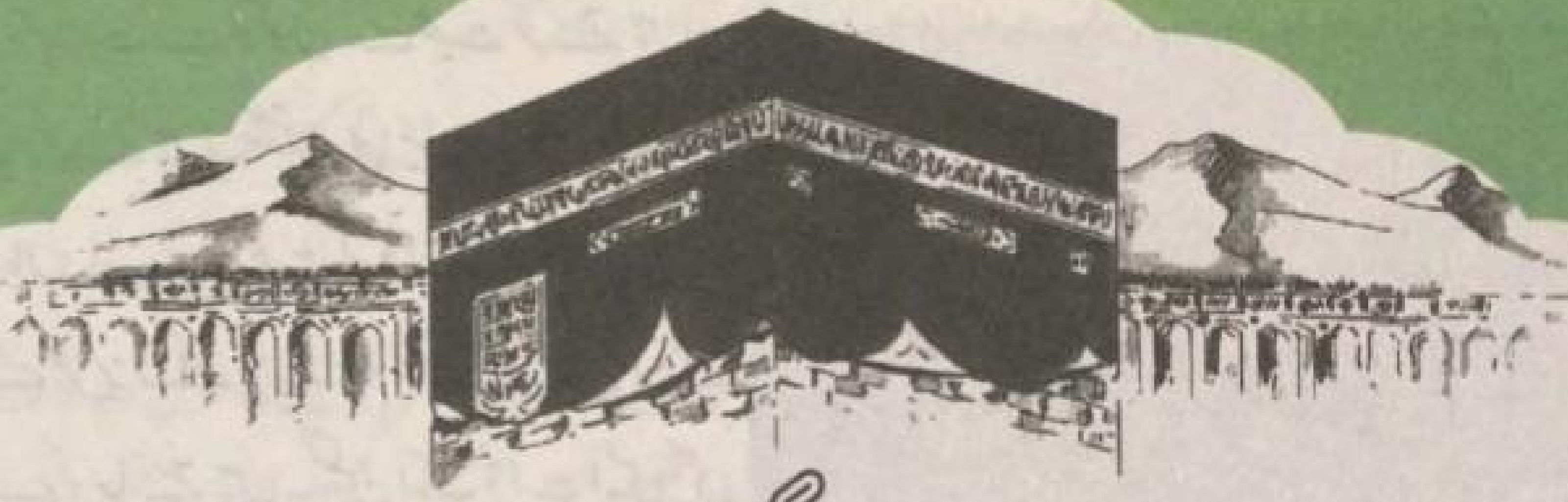
ناشر: مکتبہ عالیہ، لاہور۔

نگران طباعت: ☆رانا امجد علی ☆ڈاکٹر سہیل سرور ☆محمد اقبال بھٹی

مطبع: نواز پریس، لاہور۔

| کوڈ نمبر | ایڈیشن | طباعت | تعداد اشاعت | قیمت |
|---|---|---|---|---|
| XLVI/AL | سوم | 25 | 26,000 | 30.00 |

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ



# حمد

میرے مولا میرے داتا — ہر اک کا ہے تجھ سے ناتا
ساری دنیا تو نے بنائی — پھولوں اور پھلوں سے سجائی
جنگل اور پہاڑ بنائے — باغوں میں پھل پھول لگائے
تو نے ہی انسان بنائے — تو نے ہی حیوان بنائے
علم سکھانے والا تو ہے — عقل بڑھانے والا تو ہے
ہم کو سیدھی راہ دکھا دے — نیک بنا دے، ایک بنا دے
مِل جُل کر ہم کام سنواریں — نام پہ تیرے جان کو واریں
ہم مُحتاجوں کے کام آئیں — بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھائیں
اپنے دیس کا کام بنائیں — اپنے دیس کا نام بڑھائیں
میرے مولا میرے داتا
سب ہیں تیرے تو ہے سب کا

(شفیقی عہدی پوری)

## مشق

1- حمد کسے کہتے ہیں؟
2- یہ نظم زبانی یاد کیجیے۔
3- کسی کتاب یا رسالے سے ایک ایسی نظم اپنی کاپی میں لکھیے جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کی گئی ہو۔
4- سب چیزیں اللہ نے عطا کی ہیں۔ آپ اللہ کی عطا کی گئی دس چیزوں کے نام بتائیے۔
5- اپنی کاپی میں معنی لکھیے:

مَولا۔ ناتا۔ داتا۔ کام سنوارنا۔ جان وارنا۔ محتاج۔ بھٹکنا۔ نام بڑھانا۔

# ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



دُنیا میں ہم بہت سے لوگوں سے محبت کرتے ہیں۔ بھائی، بہنوں سے پیار کرتے ہیں۔ بہنیں بھائیوں پر جان قُربان کرتی ہیں۔ اولاد، ماں باپ سے محبت کرتی ہے اور ماں باپ اولاد کو دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں۔ دوست یار، عزیز رشتے دار سب ایک دُوسرے کو چاہتے ہیں۔ لیکن ایک ذات ایسی بھی ہے جسے ہم سب سے زیادہ چاہتے ہیں، وہ ذات ہے ہمارے نبی کریم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پیارا نام جوں ہی زبان پر آتا ہے، ہماری نگاہیں ادب سے جُھک جاتی ہیں۔ ہمارے دِل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ زبان پر دُرود و سلام جاری ہو جاتا ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس نام میں ہمیں دُنیا جہان کی دولت مل گئی ہو۔ کتنی برکت ہے ان کے نام میں۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے پیارے رسول ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام نبیوں کے آخر میں آئے، اور سب کے سردار ہوئے۔ آپؐ دُنیا کے سب سے عظیم انسان ہیں۔ خدا کے بعد آپؐ کا رتبہ سب سے بلند ہے۔ آپؐ کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار خوبیاں عطا کی تھیں۔ آپؐ ایسے سچّے تھے کہ دشمن بھی آپؐ کی سچائی کی تعریف کرتے تھے۔ آپؐ ایسے امین تھے کہ کافر بھی اپنی قیمتی چیزیں آپؐ کے پاس امانت رکھتے تھے۔ آپؐ دوست دشمن سب کے لیے رحمت بن کر آئے، پوری دُنیا کے لیے رحمت۔ حتّٰی کہ کافر آپؐ کو ستاتے تو آپؐ اُنھیں دُعا دیتے۔ لوگ آپؐ کو پتھر مارتے اور لہولہان کر دیتے لیکن آپؐ ان کو معاف کر دیتے۔

ہمارے پیارے نبیؐ بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ آپؐ بچوں سے ملتے تو بہت خوش ہوتے۔ انھیں گود میں اُٹھا لیتے خوب پیار کرتے، کبھی کاندھے پر بٹھاتے۔ سواری پر ہوتے تو بچوں کو بھی ساتھ بٹھا لیتے۔ کھانا تقسیم ہوتا تو بچوں کو سب سے پہلے دیتے۔ بچوں کے ساتھ سلام میں پہل کرتے۔ ان کی تربیت کا بہت خیال رکھتے، اپنے ساتھ نماز پڑھواتے، وُضو کا طریقہ بتاتے۔ اگر کوئی بچہ بغیر اجازت گھر میں داخل ہو جاتا تو آپؐ اُسے نرمی سے فرماتے۔ ''بیٹے! تم باہر جا کر پہلے اجازت لو، پھر اندر آؤ''۔ اگر کوئی بچہ بسم اللہ کے بغیر کھانا شروع کر دیتا تو آپؐ نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور فرماتے ''بیٹے! کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ ضرور پڑھ لیا کرو''۔ یہ حضورؐ کے پیار اور تربیت ہی کا اثر تھا کہ ہر بچہ اسلام کا جاں نثار سپاہی تھا اور حضورؐ سے اپنی جان سے بھی زیادہ محبت کرتا تھا۔

حضورؐ کو کمزوروں اور غریبوں سے بڑی محبت تھی۔ آپؐ یتیموں پر شفقت فرماتے تھے۔ آپؐ کے پاس اپنی ضرورت سے زیادہ جو کچھ ہوتا، وہ غریبوں میں تقسیم کر دیتے، بلکہ خود بھوکے رہ کر بھی حاجت مندوں کو کھانا کھلاتے۔ آپؐ کا فرمان ہے۔ ''سب انسان برابر ہیں۔ امیر ہو یا غریب، گورا ہو یا کالا، خُدا کے ہاں عزت والا وہ ہے جو نیک اور پرہیز گار ہے۔''

نبی کریمؐ صرف انسانوں ہی پر مہربان نہ تھے، جانوروں پر بھی رحم فرماتے تھے۔ آپؐ کبھی کمزور اور تھکے ماندے جانور پر سوار نہ ہوتے۔ آپؐ ہمیشہ نصیحت فرماتے کہ ''جانوروں کو پیٹ بھر کر کھلاؤ۔ ان پر زیادہ بوجھ نہ لادو''۔

حضورؐ صفائی کا ہمیشہ خیال رکھتے تھے۔ آپؐ کا لباس سادہ اور صاف ستھرا ہوتا۔ آپؐ اپنے دانتوں کو باقاعدگی سے صاف کرتے تھے۔ اپنے گھر اور مسجد کو ہمیشہ صاف رکھتے تھے۔ آپؐ کو صفائی بے حد عزیز تھی۔ آپؐ کی زندگی بہت سادہ تھی۔ آپؐ نے ہمیشہ سادہ غذا کھائی اور معمولی لباس پہنا۔ آپؐ اپنا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے، اپنے جُوتے خود مرمت کرتے، اپنے کپڑوں کو خود پیوند لگاتے، بکری کا دُودھ دوہتے، صحن کی صفائی کرتے، پتھر اُٹھاتے، پانی لاتے، گارا ڈھوتے اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر سخت سے سخت محنت کا کام بھی بڑے شوق سے کرتے تھے۔ آپؐ خود بھی محنت کرتے اور دوسروں کو بھی محنت کا سبق دیتے تھے۔ آپؐ کا ارشاد ہے: ''ہاتھ سے کام کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے''۔

ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے حبیب تھے۔ آپؐ کو اللہ سے بے حد محبت تھی۔ آپؐ اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزارتے تھے۔ ہر وقت خُدا کی یاد میں مصرُوف رہتے۔ آپؐ نے اپنی تمام زندگی اللہ کا نام بلند کرنے میں گزاری۔ آپؐ پر اور آپؐ کی آل پر لاکھوں درُود اور سلام۔

## مشق

1- ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ کیوں چاہتے ہیں؟

2- ہمیں اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کے ساتھ ہمیشہ کون سے کلمات کہنے چاہئیں؟

3- ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کے ساتھ کس طرح پیش آتے تھے؟

4- حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی سے ہمیں کیا کیا سبق ملتے ہیں؟

5- ان الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

سرور۔ جاں نثار۔ تربیت۔ حاجت مند۔ نیک

6- دل وجان ایک مرکب ہے جو دو لفظوں یعنی دِل اور جان سے مل کر بنا ہے آپ اس طرح کے پانچ مرکب لکھیے۔

7- سپاہی، مسجد، پتھر، کسی شخص، جگہ یا چیز کے نام ہیں۔ ایسے ناموں کو اسم کہتے ہیں۔
آپ اس سبق میں سے دس اسم چُن کر لکھیے۔




# آزادی مبارک

خالد کی آنکھ چوں چوں کی آواز سے کھل گئی۔ کھڑکی کی سلاخوں پر ایک ننھی سے چڑیا پھدک پھدک کر چوں چوں کر رہی تھی۔ خالد نے آنکھیں ملتے ہوئے سامنے دیکھا۔ چھوٹے سے کیلنڈر پر سُرخ ہندسوں میں لکھی ہوئی ایک تاریخ مُسکرا رہی تھی۔

## 14۔اگست

"چوں چوں چوں"، چڑیا پھدک کر بیچ والی سلاخ پر آ بیٹھی، جیسے کہتی ہو، "آزادی کا دِن مُبارک"۔

"اخاہ! آج تو یومِ آزادی ہے۔ چھوٹی چڑیا تمھیں بھی یومِ آزدی مبارک ہو"۔ خالد کُود کر بستر سے اُترا۔

چھوٹا سا صاف ستھرا گھر آج اور بھی صاف ستھرا نظر آ رہا تھا۔ سلمٰی باجی نے اپنی کیاری سے پُھول توڑ کر گل دانوں میں سجا رکھے تھے۔ صحن میں پاکستانی پرچم کی شکل کی جھنڈیاں سجی ہوئی تھیں۔ سب بچے یوم آزادی پر بہت خوش تھے۔ خالد بھی جلدی سے تیار ہوا، ناشتا کیا اور ابا جان کے پاس آ کر زور سے بولا "پاکستان" اس پر سب نے کہا "زندہ باد"۔ سارا شہر دُلھن کی طرح سجا ہوا تھا، جیسے وہ ہنس ہنس کر بچوں سے کہہ رہا ہو۔ "آزادی کا ایک اور سال مبارک ہو"۔

طارق نے کہا۔

"ابا جان! آزادی کے دن ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں، گھروں اور دکانوں پر جھنڈے لگاتے ہیں"۔

"ہاں! اور چراغاں بھی تو کرتے ہیں"۔ رُوحی بولی۔

اباجان نے کہا۔"ہاں بیٹے! چراغاں بھی کرتے ہیں اور مسجدوں میں وطن کی آزادی اور سلامتی کے لیے دعائیں بھی مانگتے ہیں"۔

"اباجان! ہم یومِ آزادی صرف 14۔اگست ہی کو کیوں مناتے ہیں۔ منھی نے سوال کیا۔

"اس لیے کہ 14۔اگست 1947ء کو ہمارا وطن آزاد ہوا تھا۔" اباجان نے جواب دیا۔

"آزادی تو بہت اچھی چیز ہے، اپنے ساتھ روشنیاں لاتی ہے، خوشیاں لاتی ہے"۔طارق نے کہا۔

"ہاں بیٹے، آزادی بہت اچھی چیز ہے، یہ بڑی دولت ہے۔ اسی لیے تو ہم آج کے دن دعا کرتے ہیں کہ خدا ہمیں آزادی کی حفاظت کے لیے اپنا ہر فرض پُورا کرنے کی توفیق دے، آزادی کے بغیر تو زندگی بے کار ہے" خالد نے یہ سُنا تو سوچ میں پڑ گیا۔"کیا آزادی کے بغیر زندگی بے کار ہوتی ہے"؟ خالد نے سوال کیا۔

اباجان نے کہا،"ہاں خالد آزادی کے بغیر زندگی بے معنی ہوتی ہے"۔

اور اس شام جب شہر کی دیواروں پر آزادی کے چراغ جگ مگ جگ مگ کر رہے تھے، خالد اپنے مٹھو کو چُوری دینے آیا تو مٹھو نے کہا "آزادی مُبارک"۔

خالد نے چپکے سے پنجرے کی کھڑکی کھول دی۔"ہاں میاں مٹھو! تمھیں بھی آزادی مبارک۔ اب جلدی سے اڑ جاؤ ورنہ آزادی کے بغیر تمھاری زندگی بھی بے کار ہو جائے گی"۔

میاں مٹھو پھُر سے اڑے اور ایک درخت پر بیٹھ کر اپنی گول گول آنکھیں مٹکا کر بولے۔"آزادی مبارک"۔

## مشق

1- کیلنڈر میں 14۔اگست کی تاریخ سرخ رنگ میں کیوں دکھائی جاتی ہے؟

2- 14۔اگست کو خالد کی امی نے سارے گھر کو کیوں سجا رکھا تھا؟

3- خالد نے اپنا مٹھو کیوں اڑا دیا؟

4- ہم آزادی کا دن کس طرح مناتے ہیں؟

5- پرچم۔سلامتی۔حفاظت کے معنی بتایئے اور اپنے جُملوں میں استعمال کیجیے۔

6- ان الفاظ کے الٹ معنی والے الفاظ لکھیے۔صبح۔روشنی۔آزادی۔صاف۔غلط۔

7- دونوں جملوں کو غور سے پڑھیے اور اسی طرح باقی جملے مکمل کیجیے:

خالد تیار ہوا۔ سلمٰی تیار ہوئی۔

(i) خالد آیا۔ سلمٰی..........

(ii) چڑیا اڑی۔ طوطا..........

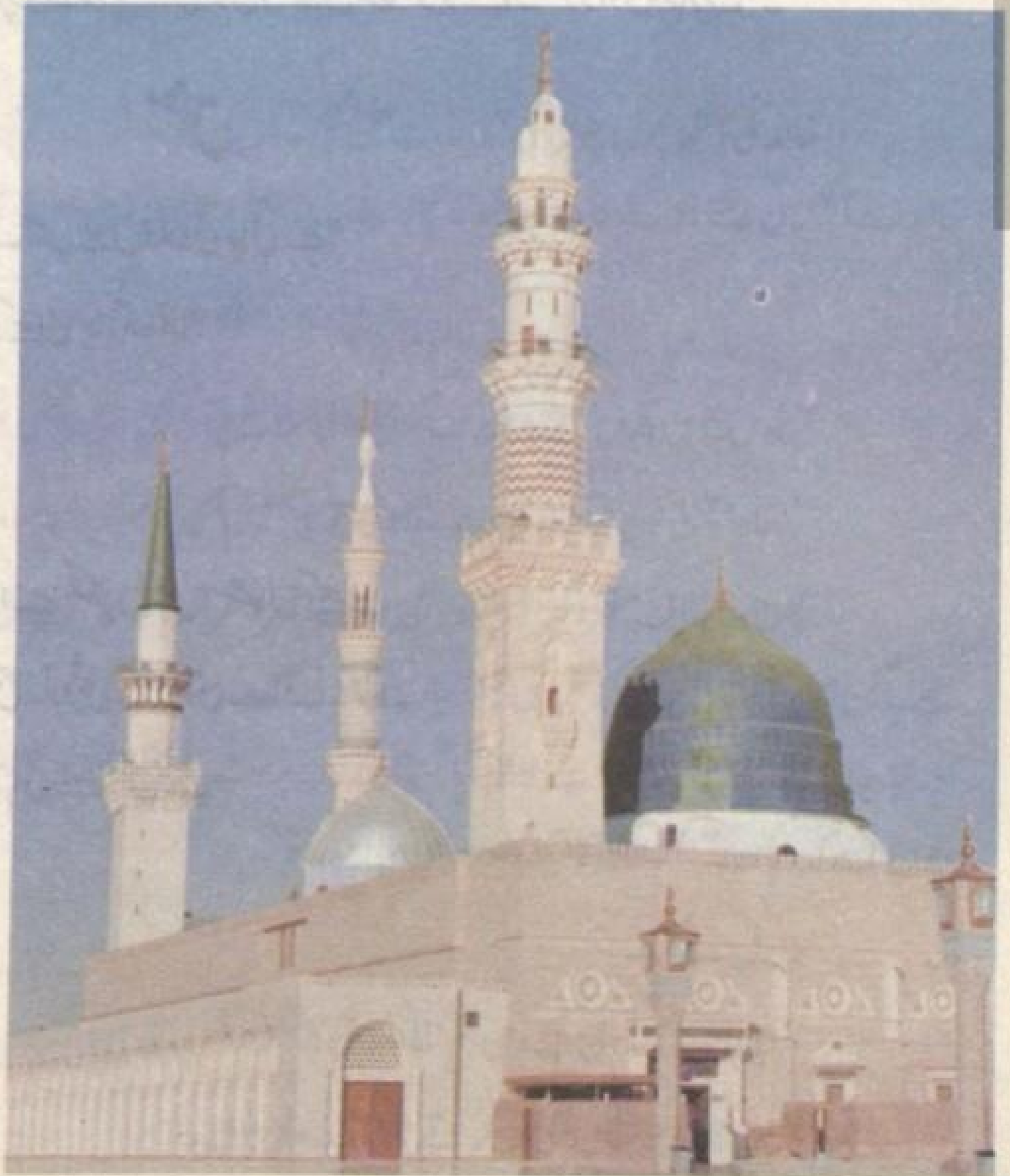
(iii) بکری کُودی۔ کتا..........

# مدینے کی برادری

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کے ساتھیوں نے مکے سے مدینے کو ہجرت کی۔ انھوں نے اللہ کی خاطر اپنا گھر بار اور اپنے رِشتے دار چھوڑ دیے اور مہاجر بن کر مدینے میں آ گئے۔ یہاں آ کر سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مسجد تعمیر کی۔ یہ مسجد سب مسلمانوں نے مل کر بنائی۔ سب نے مل کر مزدوروں کی طرح کام کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کام کرتے تھے اور انھی کی طرح گارا اور پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔

یہ مسجد تعمیر ہو چکی تو ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور فرمایا ''اللہ کی خاطر ایک دوسرے کے بھائی بن جاؤ''۔ یہ کہ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حمزہؓ کا ہاتھ حضرت زیدؓ کے ہاتھ میں دے دیا اور فرمایا ''تم دونوں بھائی ہو''۔ اسی طرح آپؐ نے ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔

انصار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فیصلے سے بے حد خوش ہوئے۔ انھوں نے اس فیصلے پر اس طرح عمل کیا کہ اپنے گھر، باغ اور کھیت اپنے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دیے۔ ہر انصاری اپنے مہاجر بھائی کو ساتھ لے کر گھر پہنچتا اور گھر کا سارا سامان پیش کر کے کہتا ''اس میں سے نصف آپ لے لیجیے''۔ اس طرح پُورا مدینہ محبت اور اخوت کا گہوارا بن گیا۔



مہاجرین مکے میں اپنی جائدادیں اور مال چھوڑ آئے تھے۔ اُنھوں نے اللہ کی خاطر اپنے کافر رشتہ داروں سے تعلق ختم کر لیا تھا۔ مدینے میں آ کر انھیں اسلامی برادری ملی۔ اس برادری کی بُنیاد نسل یا خاندان پر نہیں بلکہ دین کے رشتے پر تھی۔ انصار ایسے مخلص اور نیک دل بھائی تھے کہ اُنھوں نے اپنی ہر چیز مہاجر بھائیوں کے لیے وقف کر دی۔ مہاجرین کو اپنوں کی جُدائی کا غم نہ رہا اور ان کے دل میں مدینے کے ساتھ اپنے وطن سے کہیں زیادہ محبت پیدا ہو گئی۔

مہاجرین نے انصار مدینہ کے اس ایثار کی بڑی قدر کی۔ وہ ان میں گھل مل کر ایک خاندان اور کنبے کی طرح رہنے لگے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اُنھیں یہ بات پسند نہ تھی کہ وہ ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہیں اور اپنے بھائیوں کی کمائی کھاتے رہیں۔ اس لیے

اُنھوں نے انصار کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کر دیا۔ وہ باغوں اور کھیتوں میں مل کر برابر محنت اور مشقت کرتے۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے کاروبار شروع کر دیا۔ کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا انصاری بھائی اُنھیں اپنے گھر لے گیا اور گھر کا سامان اور مال پیش کر کے کہنے لگا۔ ''اس میں سے نصف آپ لے لیجیے''۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا: ''بھائی یہ مال آپ کو مبارک ہو، مجھے تو مہربانی کر کے بازار کا راستہ دکھا دیجیے''۔ آپ نے گھی اور پنیر کی تجارت شروع کر دی۔ اللّٰہ نے تجارت میں برکت دی۔ چند ہی دنوں میں اُنھوں نے خاصی ترقی کر لی۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر میں مٹی میں ہاتھ ڈالوں تو وہ بھی سونا بن جائے''۔ اسی طرح حضرت اُبوبکر صدیقؓ نے کپڑے کا کاروبار شروع کر دیا۔ حضرت عثمانؓ کھجوروں کی تجارت کرنے لگے۔ غرض سب اپنے اپنے کام میں لگ گئے۔ حتّٰی کہ تھوڑی ہی مدت میں مہاجرین کی مالی حالت اچھی ہو گئی، وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے قابل ہو گئے اور اُنھوں نے اپنے انصار بھائیوں کا مال واپس کر دیا۔

اس کے بعد بھی جب کوئی مہاجر قریش کے مظالم سے جان بچا کر مدینے آتا تو ہر انصاری یہ چاہتا کہ وہ اسی کے ہاں ٹھہرے۔ بعض اوقات بات یہاں تک بڑھ جاتی کہ قُرعہ اندازی کی ضرورت پیش آتی۔ جس کے نام قُرعہ نکل آتا، وہی اس مہاجر بھائی کو اپنے گھر لے آتا۔ اسی دن اپنے مکان، مال، اسباب، زمین اور مویشیوں کا آدھا حصہ اس کے حوالے کر دیتا اور اپنی خوش قسمتی پر شکر کرتا کہ خدا نے دین کے ایک بھائی کو اس کا حصہ دار بنایا ہے۔ اسلام کی محبت نے ان کو بھائی بھائی بنا دیا۔

مدینے کی اس برادری میں حد درجہ محبت تھی۔ سب ایک دُوسرے کے دُکھ درد میں شریک ہوتے تھے۔ ان کا رہن سہن ایک جیسا تھا۔ وہ امن کے دنوں میں مل کر کام کاج کرتے اور جنگ کے دنوں میں ایک دوسرے کے شانہ بشانہ دشمنوں کا مقابلہ کرتے۔ دینی محبت اور اسلامی برادری کی یہ بہترین مثال تھی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

## مشق

1- ہجرت کسے کہتے ہیں؟

2- مسلمانوں نے ہجرت کیوں کی تھی؟

3- حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو کس طرح بھائی بھائی بنا دیا؟

4- انصار نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے پر کس طرح عمل کیا؟

5- پاکستانی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح رہنا چاہیے؟

6- ان الفاظ کے معنی یاد کیجیے:

ہجرت۔ اخوت۔ گھوارا۔ مخلص۔ ایثار۔ قدر کرنا۔ مشقت۔ مظالم۔ شانہ بشانہ۔ نظیر

7- واحد کے جمع لکھیے۔

سبب۔ برکت۔ تعلق۔ مہاجر



# قطار بنائیے

وُہ دیکھیے! بس اپنے سٹاپ پر آ کر رُکی۔ لوگ جو بہت دیر سے بس کے انتظار میں کھڑے تھے، اس کی طرف لپکے۔ ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ وہ بس میں سب سے پہلے سوار ہو جائے۔ بس کے دونوں دروازوں پر مَردوں، عورتوں اور بچوں کا ایک ہجوم ہے۔ کنڈکٹر اندر سے چلا رہا ہے کہ پہلے اترنے والے مسافروں کو نیچے اترنے دیں۔ لیکن اس کی بات کوئی نہیں سنتا۔ کسی نے کھڑکی کو پکڑ رکھا ہے، کسی نے دروازے کو۔ اندر والے مُسافر باہر نکلنے کے لیے زور لگا رہے ہیں۔ باہر والے مسافر بس میں سوار ہونے کے لیے ایک دوسرے کو دھکے دے رہے ہیں۔

بس سٹاپ کا یہ منظر کئی جگہ دیکھنے میں آتا ہے اور یہ صرف بس سٹاپ ہی پر نہیں جہاں لوگوں کا ذرا ہجوم ہوا، یہ تماشا شروع ہو گیا۔ ریلوے سٹیشن پر چلے جائیے۔ آپ دیکھیں گے کہ ٹکٹ گھر کی کھڑکی پر لوگ ایک دوسرے سے الجھ رہے ہیں۔ ہر شخص اس کوشش میں ہے کہ وہ سب سے پہلے ٹکٹ لے لے۔ کھڑکی کے اندر اور باہر ایک وقت میں کئی کئی ہاتھ نظر آئیں گے۔ اگر کچھ لوگ سمجھ دار ہوئے تو اُنھوں نے ٹکٹ لینے کے لیے قطار بنالی ورنہ وُہی دھینگا مُشتی جو آپ نے بس سٹاپ پر دیکھی، یہاں بھی نظر آئے گی۔

اب ذرا پلیٹ فارم کا حال بھی دیکھ لیجیے۔ ادھر گاڑی پلیٹ فارم پر رُکی، اُدھر لوگ گاڑی کے ڈبوں پر ٹوٹ پڑے۔ کوئی کھڑکی میں سے اندر پھلانگ رہا ہے، کوئی دروازے میں سے گھسنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایک چھوٹے سے دروازے میں سے بھلا دس بیس آدمی ایک ساتھ کیسے داخل ہو سکتے ہیں؟ اگر یہی لوگ قطار میں کھڑے ہو جائیں تو سب کے سب بہت آرام سے گاڑی میں سوار ہو سکتے ہیں لیکن افسوس کہ کوئی بھی شخص قطار میں کھڑا ہونا نہیں چاہتا۔

آپ یہ نہ سمجھیے کہ ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ عقل مند لوگ جہاں بھی جمع ہوتے ہیں، قطار بنا لیتے ہیں۔ ہم نے کئی مرتبہ بس سٹاپ اور ریلوے سٹیشن پر لوگوں کو قطار باندھے ہوئے بھی ٹکٹ خریدتے اور سوار ہوتے دیکھا ہے۔ ہوائی جہاز کے مسافر تو کبھی ایک دوسرے کو دھکا نہیں دیتے۔ وہ قطار میں کھڑے ہو کر اپنا سامان بُک کراتے ہیں، قطار ہی میں جہاز پر سوار ہوتے ہیں اور قطار ہی میں جہاز سے اُترتے ہیں۔ دُنیا کے بڑے بڑے ہوائی اڈوں پر مسافروں کا اتنا ہی ہجوم ہوتا ہے جتنا ہمارے ہاں بڑے بڑے سٹیشنوں پر، لیکن کیا

مجال کہ لوگ قطار توڑ کر ایک دُوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کریں۔

لیجیے! اب ہم آپ کو مدرسے میں لیے چلتے ہیں۔ وہ دیکھیے بچے قطاریں باندھے دُعا کے لیے میدان میں کھڑے ہیں۔ دعا ختم ہوئی تو بچے اسی طرح قطاروں میں اپنی اپنی جماعت کی طرف چل دیے۔ یہ بچے کمرے سے باہر آتے ہیں تو قطار میں، اندر جاتے ہیں تو قطار میں۔ وہ جانتے ہیں کہ قطار باندھنے سے مدرسے کا ضبط قائم رہتا ہے۔ قطار ٹُوٹے تو ضبط ٹُوٹ جاتا ہے اور اگر مدرسے کا ضبط ٹوٹ جائے تو پھر مدرسہ مدرسہ نہیں رہتا۔ بچے یہ بھی جانتے ہیں کہ قطار باندھنے کے بہت سے فائدے ہیں۔ وقت کم لگتا ہے، کام جلدی ہو جاتا ہے۔ انسان لڑائی جھگڑے سے بچ جاتا ہے۔ نہ کسی کو دھکے لگتے ہیں، نہ کوئی منہ کے بل گرتا ہے، نہ کسی کے چوٹ آتی ہے۔

اچھے بچے صرف مدرسے ہی میں قطار نہیں بناتے بلکہ وہ مدرسے سے باہر بھی اس اصول پر قائم رہتے ہیں۔ جہاں دو یا دو سے زیادہ بچے جمع ہوئے فوراً قطار باندھ لی۔

ڈاک خانہ ہو یا راشن ڈپو، بس سٹاپ ہو یا پلیٹ فارم، سڑک ہو یا کھیل کا میدان، یہ بچے ہمیشہ قطار کا خیال رکھیں گے۔ جب یہ بچے بڑوں کو ایک دُوسرے کو دھکے دیتے ہوئے دیکھتے ہیں تو حیران ہو کر سوچتے ہیں کہ یہ لوگ آخر قطار کیوں نہیں باندھ لیتے!

ایک بچے سے میں نے پُوچھا کہ بیٹے! تم نے قطار بنانے کا اُصول کہاں سے سیکھا؟ اس نے مُسکرا کر جواب دیا ''کیڑے مکوڑوں اور جانوروں سے''۔ میں نے پُوچھا: ''وہ کیسے؟'' کہنے لگا: ''کیا آپ نے چیونٹیوں کو نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح ہزاروں کی تعداد میں قطار باندھے ایک جگہ سے دُوسری جگہ تک رینگتی چلی جاتی ہیں۔'' پھر اس بچے نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی۔ دیکھا تو دُور فضا میں بہت سے بگلے اپنے سفید پَر پھیلائے سیدھی قطار میں اڑتے چلے جا رہے ہیں۔

بچے نے انگلی سے ان کی طرف اشارہ کیا اور اپنی خاموش نگاہوں سے مجھے بہت کچھ سمجھا گیا۔ ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ اونٹوں کا ایک قافلہ ادھر آ نکلا۔ اونٹ ایک لمبی قطار بنائے ایک دوسرے کے پیچھے یُوں چل رہے تھے جیسے فوج کے سپاہی پریڈ کر رہے ہوں۔ میں بچے کی دانائی پر بہت خوش ہوا، اسے شاباش دی اور خود دیر تک سوچتا رہا کہ اگر کیڑے مکوڑے، پرندے اور حیوانات قطار باندھ سکتے ہیں، ضبط سے زندگی بسر کر سکتے ہیں تو پھر انسان جو اِن سب سے افضل اور بہتر ہے، قطار بندی کے اصول سے غافل کیوں ہے!

## مشق

1- قطار بنانا کیوں ضروری ہے؟

2- ہمیں کس کس وقت قطار بنانا چاہیے؟

3- کون کون سے جانور قطار بندی پر عمل کرتے ہیں؟

4- قطار بندی کے فائدے کاپی میں لکھیے۔

5- ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے۔

ہجوم۔ کنڈکٹر (کنڈک+ٹر)۔ منظر۔ اُلجھنا۔ دھینگا مُشتی۔ ٹکرانا۔ ضبط۔ فضا۔ افضل۔

6- ایسے پانچ الفاظ جمع کیجیے جن کے آخر میں ''ار'' ہو۔ جیسے قطار۔ سوار.....

7- لڑکا سے لڑکے اور بستہ سے بستے واحد سے جمع بنانے کی مثالیں ہیں۔ اس طرح آپ نیچے دیے ہوئے الفاظ کی جمع لکھیے۔

بچہ۔ بگلہ۔ قافلہ۔ پرندہ۔ مدرسہ۔

# پاکستانی بچے



انھیں دیکھیے، یہ کون ہیں؟ یہ ہمارے پٹھان بہن بھائی ہیں۔ دونوں نے لمبے کُرتے اور ڈھیلی ڈھالی شلواریں پہن رکھی ہیں۔ لڑکے کے سر پر لُنگی ہے اور لڑکی کے سر پر چادر۔ یہ پاکستان کے شمال مغرب میں رہتے ہیں۔ ان کا رنگ سُرخ اور سفید ہے۔ پشتو ان کی زبان ہے، لیکن یہ سکول میں اُردو بھی پڑھتے ہیں۔ اِنھیں تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔ یہ بڑوں کے ساتھ بھیڑ بکریاں چراتے اور کھیتی باڑی میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ انھیں بندوق چلانے کا بہت شوق ہے۔ بچپن ہی میں یہ بندق چلانا سیکھ جاتے ہیں۔ غُلیل کا نشانہ بھی خوب باندھتے ہیں۔ ان کے علاقے کا خٹک ناچ بہت مشہور ہے۔ پٹھان خٹک ناچ میں بڑے شوق سے حصہ لیتے ہیں۔ ان کے علاقے میں پھل بہت ہوتے ہیں۔ انار، سیب، خوبانی، آڑو اور انگور یہاں کے خاص پھل ہیں۔



ادھر دیکھیے! یہ ہمارے سندھی بھائی بہن ہیں۔ اُنھوں نے لمبے اور ڈھیلے ڈھالے کُرتے پہن رکھے ہیں۔ لڑکے کے سر پر شیشوں والی ٹوپی ہے اور لڑکی کے سر پر چادر۔ لڑکی کے کُرتے پر پُھول کڑھے ہوئے ہیں۔ انھیں بھی لکھنے پڑھنے کا بہت شوق ہے۔ ان کی زبان سندھی ہے لیکن اردو بولنے والے بھی موجود ہیں۔ یہ بچے اردو اور سندھی دونوں زبانیں شوق سے پڑھتے ہیں۔



یہ پنجابی بھائی بہن ہیں۔ لڑکے نے تہمد باندھ رکھا ہے اور اس کے سر پر پگڑی ہے۔ لڑکی کے سر پر دوپٹا ہے اور وہ کھلی شلوار اور قمیص پہنے ہوئے ہے۔

انھیں تعلیم حاصل کرنے کا بہت شوق ہے۔ پڑھنے کے وقت دِل لگا کر پڑھتے ہیں اور فارغ وقت میں ماں باپ کے ساتھ کام کاج میں ہاتھ بٹاتے ہیں۔ دیہاتی بچے مویشی چراتے ہیں اور اُن کی دیکھ بھال بھی کرتے ہیں۔ یہ ساگ اور مکئی کی روٹی بڑے شوق سے کھاتے ہیں۔ یہ میلوں میں جانے کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔



یہ بلوچی اور مکرانی بچے ہیں۔ اُنھوں نے بھاری شلواریں اور چپل پہن رکھے ہیں۔ انھیں بھی پڑھنے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ فارغ وقت میں یہ بھیڑ بکریاں، دنبے اور اونٹ چراتے ہیں۔ لڑکیاں پڑھتی بھی ہیں اور کام کاج میں ماں باپ کا ہاتھ بھی بٹاتی ہیں۔ چاندی کے زیور پہن کر وہ بہت خوش ہوتی ہیں۔



اِن بچوں سے ملیے یہ کشمیری بچے ہیں۔ انھوں نے قمیصیں اور شلواریں پہن رکھی ہیں۔ لڑکے کے سر پر ٹوپی ہے اور لڑکی نے چادر اوڑھ رکھی ہے۔ انھیں عِلم حاصِل کرنے کا اتنا شوق ہے کہ دُور دُور سے پَیدل سفر کر کے اپنے مدرَسوں میں پڑھنے جاتے ہیں۔

یہ بچے پہاڑی علاقے میں رہتے ہیں اور بڑی پُھرتی سے پہاڑوں پر چڑھ جاتے ہیں۔ یہ اُردُو اور کشمیری زبان بولتے ہیں۔ کشمیر میں ناشپاتی، سیب اور آڑُو کثرت سے پَیدا ہوتے ہیں اور کشمیری بچے یہ پھَل خُوش ہو کر کھاتے ہیں۔ مکئی کی روٹی اور چاول ان کی پسندیدہ خُوراک ہے۔

یہ سب بچے پاکستان کے مُختلِف علاقوں میں رہتے ہیں اور پاکستان سے ان سب کو مَحبّت ہے۔ بڑے ہو کر سب اپنے مُلک کی ترقی کے لیے کوشش کریں گے اور پاکستان کو ان ہونہار بچوں پر ناز ہوگا۔

## مشق

1- ٹھیک جواب کے گرد دائرہ لگائیے:-

پٹھان رہتے ہیں پاکستان کے:- مشرق میں، شمال مغرب میں۔

پٹھان بچوں کی زبان ہے:- سِندھی، پشتو۔

2- ٹھیک کے سامنے کے دائرے کو کالا کر دیجیے:-

پٹھان لڑکے کے سر پر چادر ہے O

سندھی لڑکے کے سر پر ٹوپی ہے O

پنجاب کا خٹک ناچ بہت مشہور ہے O

بلوچی بچیاں چاندی کا زیور پہنتی ہیں O

3- لفظ بنائیے جیسے پاکستان سے پاکستانی۔ پنجاب سے پنجابی اور سندھ سے سندھی۔

اَمریکہ۔ جاپان۔ چین۔ مصر۔ برما۔ شام۔ رُوس۔ عِراق

4- ان کے معانی لکھیے:

ناز۔ ہونہار۔ ہاتھ بٹانا۔ فارغ

# نعت

ہمارے نبی احمدِ مصطفیٰؐ ہیں
فِدا اُن پہ ہم، وُہ رسُولِ خدا ہیں

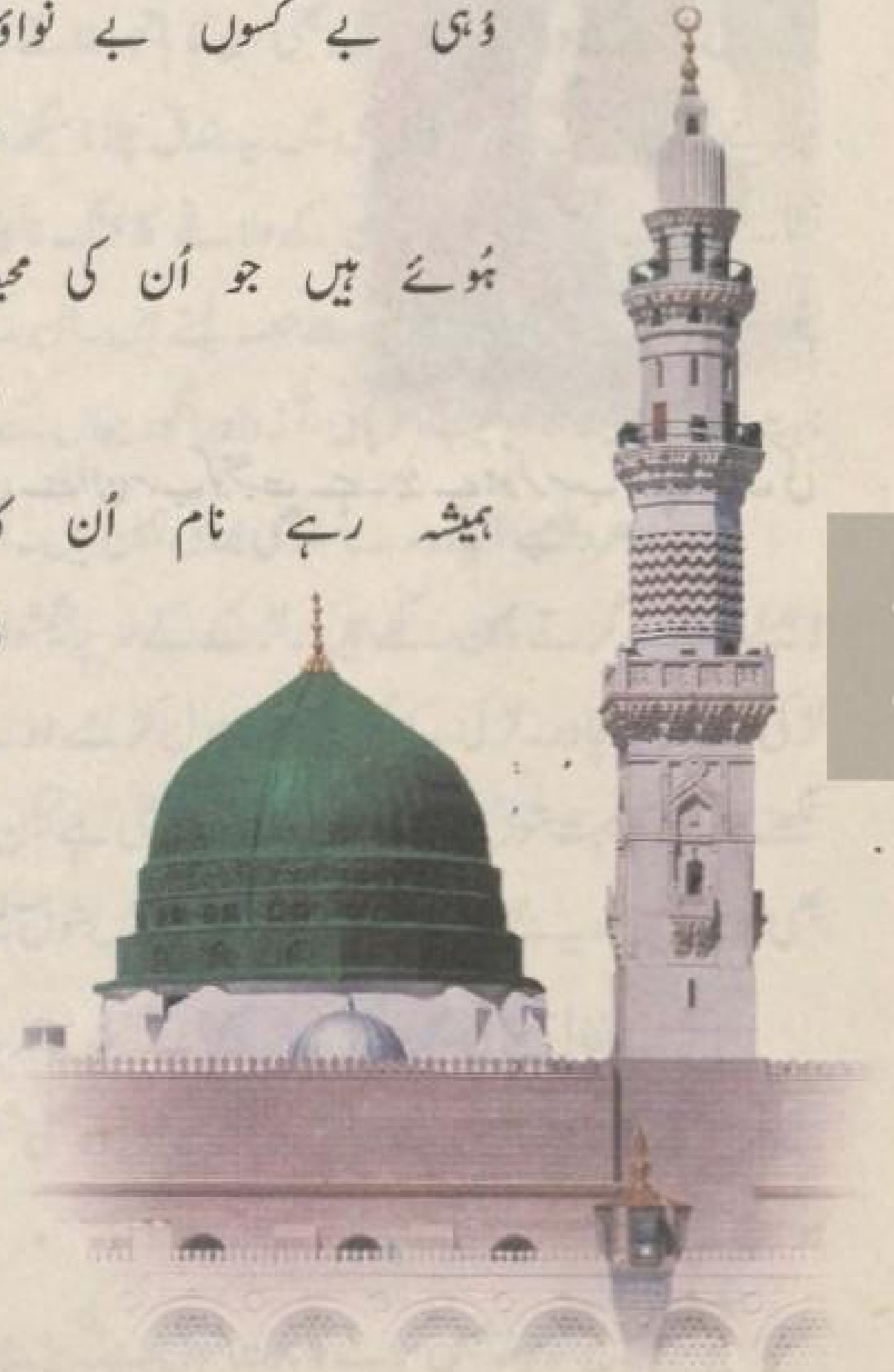
حقِیقت کی صُورت دِکھائی اُنھوں نے
خُدا تک پہُنچنے کا وُہ راستا ہیں

وُہی بے کسوں بے نواؤں کے والی
غرِیبوں یتیموں کا وُہ آسرا ہیں

ہُوئے ہیں جو اُن کی محبت کے قیدی
یہ جانو! جہاں کے دُکھوں سے رِہا ہیں

ہمیشہ رہے نام اُن کا زباں پر
وُہی آرزُو ہیں، وُہی مُدعا ہیں

(قیوم نظر)



## مشق

1- یہ نعت زبانی یاد کرکے سُنایئے۔

2- کسی کتاب یا رسالے میں سے اپنی پسند کی کوئی نعت اپنی کاپی میں لکھیے۔

3- اِن لفظوں کے معنی یاد کیجیے:

بے کَس۔ بے نَوا۔ مُدّعا، آرزو۔ فِدا ہونا۔ رِہا ہونا

# بڑھئی

سکول کے اس طرف تاج دین بڑھئی کی دکان ہے۔ دکان کیا ہے لکڑی کا ایک بڑا سا کھوکھا ہے۔ یہ کھوکھا اس نے خود تیار کیا ہے۔ کھوکھے کی ایک دیوار کے ساتھ الماری ہے جس میں رنگ رنگ کے لٹو سجے ہوئے ہیں۔ تاج دین اس علاقے کا سب سے بوڑھا بڑھئی ہے۔ اس کی کمر جھک گئی ہے۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا ہے۔

لیکن صبح سے شام تک آری بسولا لیے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ بڑھاپے کے باوجود تاج دین کی بچوں سے بہت دوستی ہے۔ ادھر چھٹی کی گھنٹی بجی اُدھر بچے اپنے بستے سنبھالے اس کی دکان کی طرف لپکے۔ دراصل تاج دین کے لٹوؤں کی شہرت دور دور تک ہے۔ شہر بھر کے سکولوں کے بچے اس کے خریدار ہیں۔

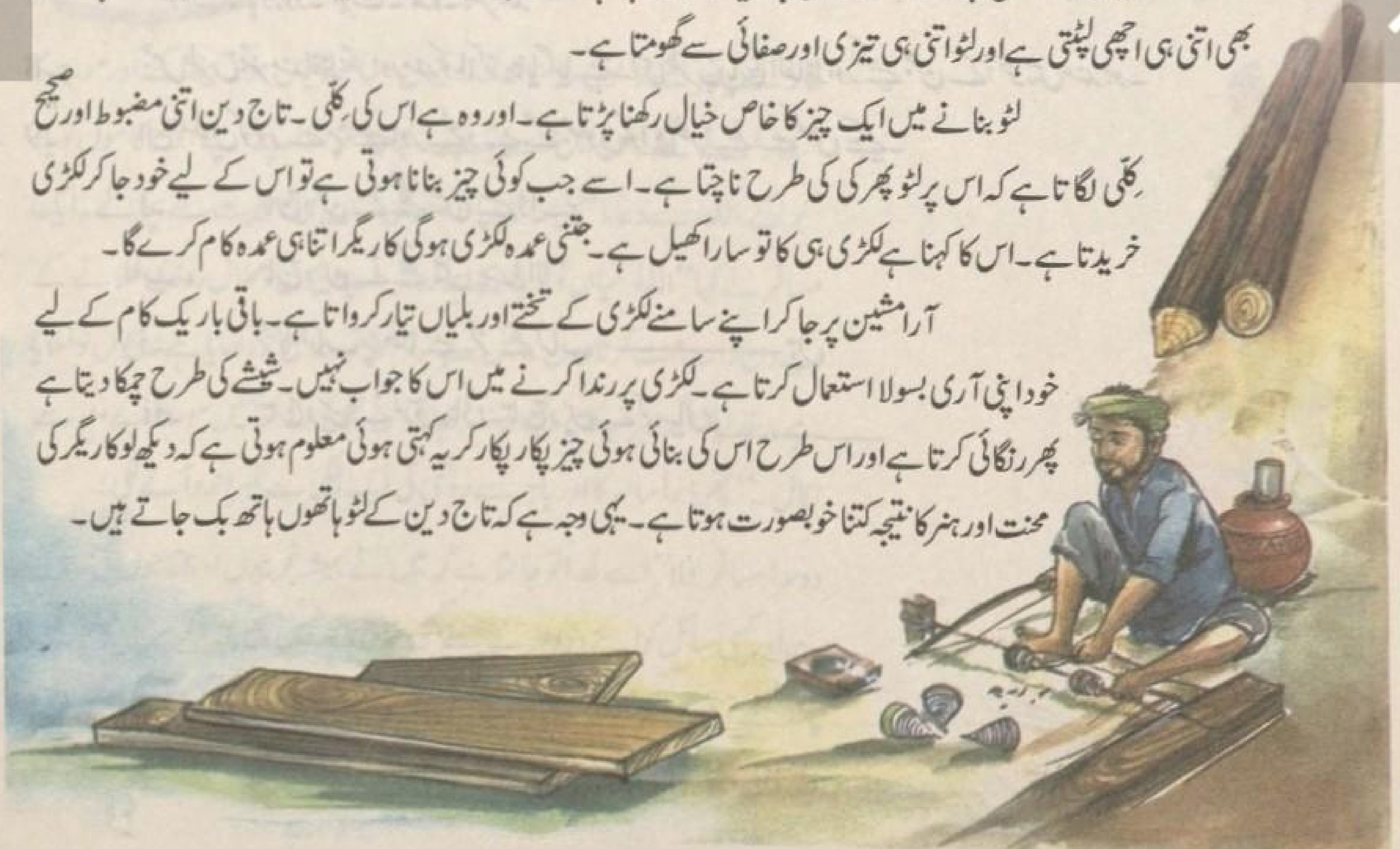
بچے پوچھتے ہیں ''بابا تم کو صرف لٹو ہی بنانا آتے ہیں اور تو کوئی چیز بناتے نہیں تم؟'' تاج دین پیسے اپنے گلے میں ڈالتے رک کر انھیں بتاتا ہے۔ ''بیٹا! تم نے تاج دین کو دیکھا نہیں۔ اس علاقے میں ایک بھی گھر ایسا نہیں جس میں میری بنائی ہوئی کوئی مسہری ،الماری یا میز کرسی وغیرہ موجود نہ ہو۔ پر بیٹا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ میرے ہاتھ کانپتے ہیں۔ اس لیے بڑا کام لیتے ہوئے گھبراتا ہوں۔ یہ لٹو ہی بنتے رہیں تو کافی ہیں۔''

تاج دین کے لٹو بچے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ انھیں پوری توجہ اور محنت سے بناتا ہے۔ لٹو بڑا ہو یا چھوٹا اس کی گھڑائی پر پوری محنت کرتا ہے۔ اتنا چکنا اور اتنا سڈول لٹو تو شاید ہی شہر کا کوئی دوسرا بڑھئی بناتا ہو۔

ذرا دیکھو! کیسی مہارت سے لٹو میں چوڑیاں ڈال رہا ہے۔ لٹو کی چوڑیاں جتنی باریک اور عمدہ ہوتی ہیں۔ لٹو پر ڈوری بھی اتنی ہی اچھی لپٹتی ہے اور لٹو اتنی ہی تیزی اور صفائی سے گھومتا ہے۔

لٹو بنانے میں ایک چیز کا خاص خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اور وہ ہے اس کی کِلّی۔ تاج دین اتنی مضبوط اور صحیح کِلّی لگاتا ہے کہ اس پر لٹو پھرکی کی طرح ناچتا ہے۔ اسے جب کوئی چیز بنانا ہوتی ہے تو اس کے لیے خود جا کر لکڑی خریدتا ہے۔ اس کا کہنا ہے لکڑی ہی کا تو سارا کھیل ہے۔ جتنی عمدہ لکڑی ہوگی کاریگر اتنا ہی عمدہ کام کرے گا۔

آرا مشین پر جا کر اپنے سامنے لکڑی کے تختے اور بلیاں تیار کرواتا ہے۔ باقی باریک کام کے لیے خود اپنی آری بسولا استعمال کرتا ہے۔ لکڑی پر رندا کرنے میں اس کا جواب نہیں۔ شیشے کی طرح چمکا دیتا ہے پھر رنگائی کرتا ہے اور اس طرح اس کی بنائی ہوئی چیز پکار پکار کر یہ کہتی ہوئی معلوم ہوتی ہے کہ دیکھو کاریگر کی محنت اور ہنر کا نتیجہ کتنا خوبصورت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تاج دین کے لٹو ہاتھوں ہاتھ بک جاتے ہیں۔



بچوں کا یہ کہنا ہے کہ تاج دین جتنے اعلیٰ درجے کے لٹو بناتا ہے، اس کا جواب نہیں۔ اس کا بنایا ہوا لٹو گھڑی دیکھ کر بھی نچاؤ تو وہ اتنے ہی منٹ تک گھومتا رہے گا جتنے منٹ تاج دین بتائے گا۔

ہاں بھئی! کیا بات ہے محنتی اور ہنر مند کاریگر کی!

## مشق

1۔ بڑھئی لکڑی کا کام کرتا ہے۔ بتائیے یہ کاریگر کیا کیا کام کرتے ہیں؟

سنار۔ کمھار۔ معمار۔ لوہار

2۔ تاج دین اچھا کام کرنے کے لیے کیا طریقے اختیار کرتا ہے؟

3۔ بچے تاج دین کو کیوں پسند کرتے ہیں۔؟

4۔ بڑھئی کے پانچ ہتھیاروں کے نام لکھیے۔ جیسے آری۔ بسولا۔..................

5۔ آپ گھر میں کون کون سا کھیل کھیلتے ہیں؟

6۔ آپ جس کاریگر کے کام کو پسند کرتے ہیں، اس کے متعلق دس سطریں لکھیے۔

7۔ ان کے معنی لکھیے اور اپنے جملوں میں استعمال کیجیے۔

مصروف۔ باوجود۔ شہرت۔ عمدہ۔ ہنر مند

8۔ جس طرح ہُنر مند لفظ ہُنر اور مند کو ملا کر بنایا گیا ہے۔ اسی طرح پانچ الفاظ اور لکھیے جن کے آخر میں مند ہو۔

9۔ ان جملوں کو غور سے پڑھیے اور نیچے دیے گئے جملوں کو اسی طریقے سے مکمل کیجیے۔

ا۔ تاج دین نے گلّے میں پیسے ڈالے

ب۔ تاج دین نے گلّے میں پیسہ ڈالا

i۔ لڑکا کتاب پڑھتا ہے۔ لڑکے کتاب ________ ہیں

ii۔ تاج دین نے کرسی بنائی۔ تاج دین نے کرسیاں ________

# غار کا پتھر

پرانے وقتوں کی بات ہے کہ تین آدمی سفر پر جا رہے تھے۔ راستا ایسا کٹھن اور دشوار گزار تھا کہ کہیں ریگستان میں سے گزر ہوتا۔ کہیں جھاڑیوں کا جنگل آجاتا اور کہیں پہاڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔ تینوں مسافر پہاڑوں میں سے گزر رہے تھے کہ یکا یک طوفانی آندھی آ گئی۔ اس کے ساتھ ہی آسمان سے بارش اور اولوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ انھیں اور تو کچھ نہ سوجھا۔ سامنے ایک غار نظر آیا اور وہ اس خوفناک طوفان سے بچنے کے لیے اسی غار میں جا گھسے۔

آندھی چلتی رہی، بارش اور اولے برستے رہے اور وہ تینوں سہمے ہوئے اس منظر کو دیکھتے رہے۔ وہ دُعائیں مانگ رہے تھے کہ الٰہی! اس طوفان سے نجات دلا۔ اتنے میں پہاڑ کی چوٹی سے ایک بڑا سا پتھر گرا اور غار کا منہ بند ہو گیا۔ اب تو وہ سخت گھبرائے۔ پتھر ہٹانے کے لیے تینوں نے مل کر زور لگایا مگر وہ پتھر اتنا بھاری تھا کہ اپنی جگہ سے ذرا نہ سرکا۔



غار سے باہر نکلنے کا کوئی راستا نہ تھا۔ تینوں مسافر مایوس ہو کر بیٹھ گئے اور موت کا انتظار کرنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا دوستو آؤ اپنے اپنے اچھے کاموں کو یاد کر کے اللہ سے دعا مانگیں۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں اس مصیبت سے بچالے۔ ایک مسافر نے کہا ''اللہ میاں تُو تو جانتا ہے کہ میں اپنے بچوں کو حلال روزی کھلانے کے لیے دن رات محنت کرتا ہوں۔ میں نے حرام کا لقمہ نہ کبھی خود کھایا ہے نہ بچوں کو کھلایا ہے۔ خدایا! اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو اس پتھر کو ہٹا کر ہمیں موت کے منہ سے نکال۔'' پتھر ذرا سا سرکا اور باہر سے روشنی کی ایک ہلکی سی لکیر اندر آنے لگی۔

دوسرا مسافر بولا ''اے خُدا تو جانتا ہے کہ میں نے ہمیشہ غریبوں اور محتاجوں کی مدد کی ہے اور کسی سائل کو اپنے دروازے سے کبھی خالی ہاتھ نہیں پھیرا۔ اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو ہمیں ہلاکت سے نجات بخش۔'' پتھر اور ذرا سے سرک گیا۔ مگر ابھی اتنی جگہ خالی نہ ہوئی تھی کہ اس میں سے آدمی باہر نکل سکے۔

تیسرے مسافر نے کہا۔ الٰہی تو جانتا ہے کہ میں سارا دن اپنی بکریاں چراتا ہوں۔ شام کو گھر آتا ہوں، بکریوں کا دُودھ دوہتا ہوں اور وہ دُودھ سب سے پہلے اپنے بوڑھے ماں باپ کو پلاتا ہوں۔ اس کے بعد اپنے بیوی بچوں کو دیتا ہوں۔ میرے ماں باپ مجھ سے خوش ہیں، اگر میرا یہ کام تجھے پسند ہے تو ہمیں اس مصیبت سے بچالے۔'' جونہی دعا ختم ہوئی پتھر لڑھکا اور نیچے جا گرا اور غار کا منہ کھل گیا۔

اس وقت تک آندھی اور بارش کا طوفان بھی ختم ہو چکا تھا۔ تینوں مسافروں نے خدا کا شکر ادا کیا ہے اور غار سے باہر نکل کر اپنے راستے پر چل دیے۔

## مشق

1۔ مسافر غار میں کس طرح پہنچے؟

2۔ غار کا دروازہ کیسے بند ہو گیا؟

3۔ مسافروں نے مصیبت سے نجات پانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا؟

4۔ ہر مسافر نے اپنی کون سی نیک بات کا ذکر کیا؟

5۔ جوڑ ملائیے:

ا۔ پہلے مسافر نے دُعا کی۔ ہمیں اس مصیبت سے بچالے

ب۔ دوسرے مسافر نے دُعا کی۔ ہمیں موت کے منہ سے نکال لے

ج۔ تیسرے مسافر نے دُعا کی۔ ہمیں ہلاکت سے نجات بخش

6۔ آپ اپنی ڈائری میں ہر روز کم سے کم ایک اچھا کام ضرور لکھیے جو آپ نے اس دن کیا ہو۔

7۔ ماں باپ کی خدمت کے متعلق دس جملے اپنی کاپی میں لکھیے۔

8۔ ان الفاظ کے معنی یاد کیجیے۔

کٹھن۔ دشوار گزار۔ سہا ہوا۔ نجات۔ سائل۔ ہلاکت

9۔ ان الفاظ کے الٹ لکھیے۔

کٹھن۔ شروع۔ محنت۔ مانگنا۔ حلال

# میں کیا بنوں گا

مجھے ایک ننھا سا لڑکا نہ سمجھو — مجھے اس قدر بھولا بھالا نہ سمجھو
مجھے کھیلنے ہی کا شیدا نہ سمجھو — سمجھتے ہو ایسا تو ایسا نہ سمجھو
میں طاقت میں رستم سے بہتر بنوں گا — بہادر بنوں گا دلاور بنوں گا
میں پڑھ لکھ کے اوروں کا رہبر بنوں گا — ارسطو بنوں گا سکندر بنوں گا
سبق نیکیوں کے مجھے یاد ہوں گے — بہت سے ہنر مجھ سے ایجاد ہوں گے
بہت مجھ سے خوش میرے استاد ہوں گے — عزیز اور ماں باپ سب شاد ہوں گے
سچائی سے ہرگز نہ شرماؤں گا مَیں — بھلائی ہر اک سے کیے جاؤں گا مَیں
مصیبت میں بالکل نہ گھبراؤں گا مَیں — بُرائی کی راہوں سے کتراؤں گا مَیں
مری گفتگو ہوگی ساری کی ساری — بہت اچھی اچھی بہت پیاری پیاری
میں بولوں گا محفل میں جب اپنی باری — تو ہوگی مری بات میں پائداری
نہ میں دل دکھانے کی باتیں کروں گا — نہ ہرگز رلانے کی باتیں کروں گا
میں بلکہ ہنسانے کی باتیں کروں گا — دلوں کو ملانے کی باتیں کروں گا

(حفیظؔ جالندھری)

# کبڈی

رات کا اندھیرا ابھی باقی تھا کہ ڈھول کی ڈھم ڈھم ڈھما ڈھم کی آواز ارد گرد کے دیہات تک جا پہنچی۔ دیہاتی کروٹیں لیتے ہوئے بستروں سے اٹھنے لگے۔ احسن بھی جاگ اٹھا۔ ننھا محسن ابھی تک سو رہا تھا۔ احسن نے چپکے سے اس کے پاؤں میں گدگدی کی۔ وہ بھی اُوں آں کرتا ہوا اُٹھ بیٹھا۔ ان کے امی اور ابا بھی ڈھول کی آواز سے بیدار ہو چکے تھے۔

احسن کچھ دیر تو خاموش رہا۔ پھر بولا ''ابا جی! آج یہ ڈھول کیوں بج رہا ہے؟''

باپ نے کہا بیٹے! آج اساڑھ کی پہلی جمعرات ہے۔ یہاں سے کوئی ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ایک میلا لگتا ہے۔ یہ ڈھول اسی جگہ بج رہا ہے۔

احسن نے کہا۔ ابا جی! پھر تو آج ہم بھی اس میلے میں چلیں گے۔ آپ ہمیں میلا دکھائیں گے نا؟ باپ نے جواب دیا ''ہم ضرور میلے میں چلیں گے۔''

احسن نے خوش ہو کر تالی بجائی۔ ننھا محسن بھی تالیاں بجانے لگا، دونوں بھائی خوش ہو گئے۔ اتنے میں صبح کی روشنی پھیلنے لگی اور سب بستروں سے اُٹھ بیٹھے۔ نماز سے فارغ ہوئے، ناشتا کیا اور تینوں باپ بیٹے میلے کو چل دیے۔ دیہاتیوں کے غول کے غول چلے آ رہے تھے۔ ان کے چہرے مسرت سے چمک رہے تھے۔ وہ ناچتے، گاتے اور تالیاں بجاتے چلے جا رہے تھے۔ میلے میں پہنچے تو دیکھا کہ لوگوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ موجود ہیں۔

سورج ڈھلنے لگا اور دھوپ کی تیزی کم ہوئی تو کشتی اور کبڈی کے لیے اکھاڑے تیار ہونے لگے۔ احسن اور محسن بھی اپنے باپ کے ساتھ وہاں جا پہنچے۔ یہاں لوگوں کی بھیڑ تھی۔ درمیان میں دائرے کی شکل میں کبڈی کا میدان تھا۔ پالے جم چکے تھے۔ گیارہ گیارہ



نوجوانوں کی ٹیمیں اکھاڑے میں اُتریں۔ دائیں ہاتھ والی ٹیم کے نام قرعہ نکلا، اور اس کا ایک کھلاڑی کبڈی کبڈی کہتا ہوا بائیں ہاتھ والی ٹیم پر جھپٹا۔ ٹیم کے کھلاڑی اسے غچا دے کر پکڑنے کی کوشش کرنے لگے مگر وہ کسی کے ہاتھ نہ آیا۔ اب اس کا دم ٹوٹنے والا تھا، ایک کھلاڑی اس پر جھپٹا مگر یہ پہلو بچا کر کبڈی کبڈی کہتا ہوا اپنی ٹیم میں آ گیا۔ اور یوں ایک نمبر اس کی ٹیم کو مل گیا۔

پہلی ٹیم کے کھلاڑی کے واپس چلے جانے کے بعد دوسری ٹیم کا کھلاڑی میدان میں اترا۔ کبڈی، کبڈی، کبڈی۔ ایک نے اسے غچا دیا۔ دوسرے نے کمر سے پکڑا اور اٹھا کر زمین پر دے مارا، اس کا دم ٹوٹ گیا۔ ایک شور مچا ''وہ مارا'' اور اس کی ٹیم کو کوئی نمبر نہ مل سکا۔ پھر پہلی ٹیم کا ایک نوجوان کبڈی کبڈی کہتا ہوا دس بارہ قدم پر چھلانگیں لگاتا ہوا آ گیا۔ اُدھر ایک نوجوان سامنے آیا اور بڑی پُھرتی سے اس کی ٹانگوں پر قینچی لگا دی۔ نوجوان کبڈی کبڈی کہتا ہوا اسے گھسیٹنے اور اپنے آپ کو چھڑانے کی کوشش کرنے لگا، بڑی مشکل سے گھسیٹ کر پالے تک پہنچا اور ہاتھ بڑھا کر پالا چھو لیا۔ ''وہ مارا کا شور اُٹھا اور اکھاڑے میں گرم جوشی پیدا ہو گئی۔ لوگ تعریفیں کرنے لگے۔ واہ واہ! کتنا طاقتور ہے، ماشاءاللہ۔''

اسی طرح باری باری دونوں طرف سے کھلاڑی آتے اور مرتے یا مارتے رہے۔ آخر جس ٹیم نے زیادہ نمبر حاصل کیے تھے وہ جیت گئی۔ اب اندھیرا پھیل رہا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔ میلا ختم ہو گیا مگر کبڈی کھیلنے والے جوانوں کی مہارت کا چرچا کئی دن تک رہا۔

## مشق

1۔ کسی آنکھوں دیکھے میلے کا حال سنائیے۔

2۔ آپ کون سا کھیل پسند کرتے ہیں۔ (کبڈی۔ فٹ بال۔ ہاکی۔ کرکٹ۔ وغیرہ)

3۔ کبڈی میں کھلاڑی کے مرنے اور مارنے سے کیا مراد ہے؟

4۔ کبڈی کے کھیل کے متعلق تین فقرے لکھیے۔

5۔ ان کے معنی لکھیے اور جملے بنائیے۔

باغ باغ ہونا۔ قرعہ۔ گرم جوشی۔ چرچا۔ غچا دینا۔ ٹھٹ کے ٹھٹ

6۔ ان کے مونث لکھیے۔ ابا۔ ننھا۔ بیٹا۔ باپ

# جگنو

لو رات ہو گئی ہے
لو چھا گیا اندھیرا
باغوں میں بسنے والے
سب لے چکے بسیرا

ہر سمت آسماں پر
تارے چمک رہے ہیں
تارے جو ہیں زمیں پر
ان کو یہ تک رہے ہیں

یہ کیا کہا زمیں کے
وہ کون سے ہیں تارے
آؤ دکھاؤں تم کو
تارے وہ پیارے پیارے

دیکھو چمک رہے ہیں
باغوں میں باڑیوں میں
کیا اڑ رہے ہیں ہر سو
کھیتوں میں جھاڑیوں میں

یہ ننھی لالٹینیں!
کیا جگمگا رہی ہیں
اس سمت آ رہی ہیں
اس سمت جا رہی ہیں

ہیں آگ کے پتنگے!
یا پھول پھُل جھڑی کے
کیا نور سے بھرے ہیں
یہ ننھے ننھے کیڑے

کیڑے ہیں روشنی کے
جگنو ہے نام ان کا
اندھیاریوں کو روشن
کرنا ہے کام ان کا

اُڑنے کو ننھے ننھے
قدرت نے پر دیے ہیں
اِن کی دُموں کے اندر
کیا نور بھر دِیے ہیں



پیڑوں کی ڈالیوں پر جگنو چمک رہے ہیں
اور ان کی روشنی سے پتّے دَمک رہے ہیں

.................

کیا خوش نُما ہیں دیکھو قدرت کے کارخانے
قدرت کے کارخانے قدرت ہی خوب جانے

.................

(حفیظؒ جالندھری)

## مشق

1۔ شاعر نے زمین کے تارے کس کو کہا ہے؟

2۔ ننھی لالٹین سے کیا مراد ہے؟

3۔ جگنو کے متعلق دس جملے لکھیے۔

4۔ ان لفظوں کے ساتھ پانچ اور ایسے لفظ لکھیے جن کا تعلق باغ سے ہو

باغ۔ پھول۔ پھل۔ درخت

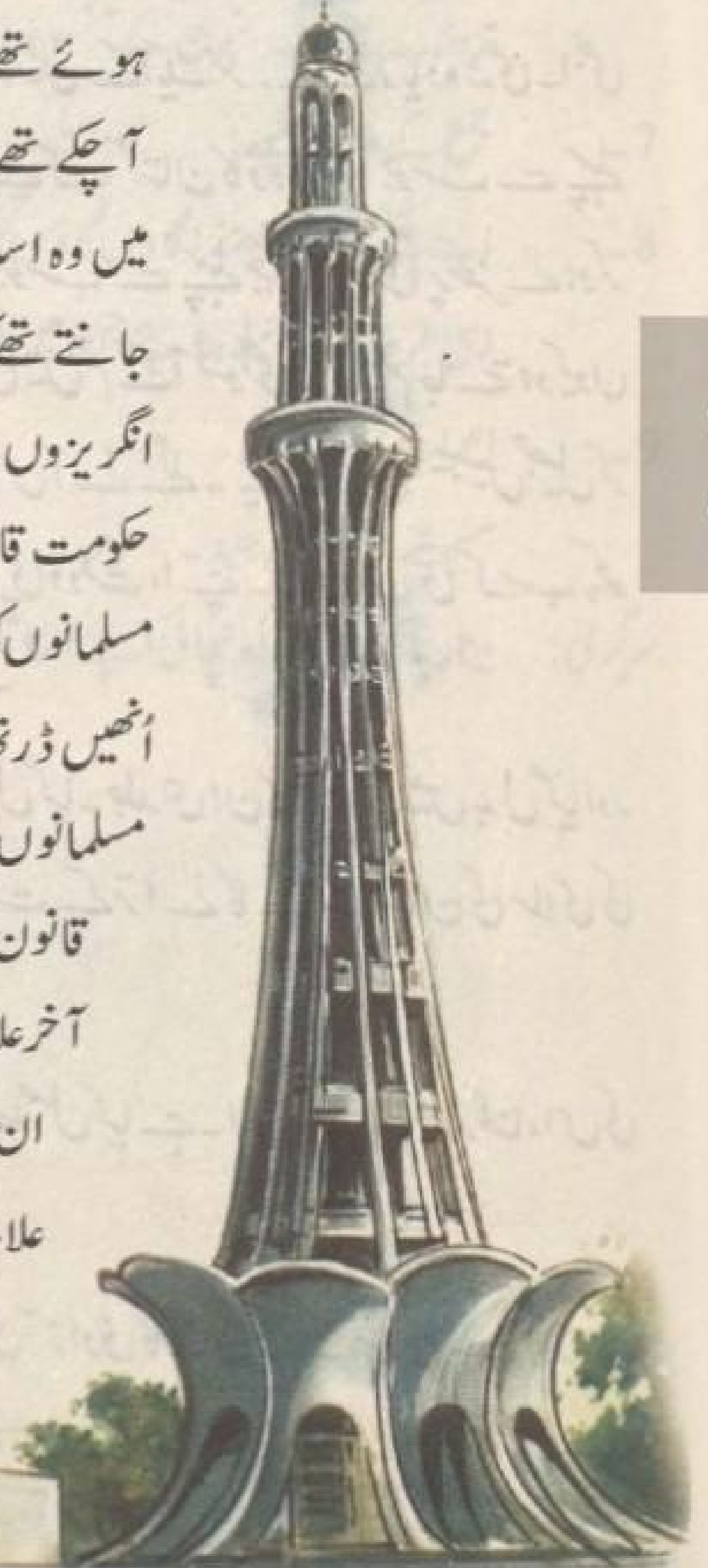
5۔ ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے۔

خوش نما۔ سمت۔ باڑی۔ نور۔ اندھیاری

# مینارِ پاکستان کی کہانی

بادشاہی مسجد کے بلند اور عظیم الشان مینار تو آپ نے دیکھے ہی ہوں گے۔ ان میناروں کے قریب ایک اور مینار بھی ہے جو اِن سے بالکل الگ تھلگ ایک بہت بڑے میدان میں تنہا کھڑا ہے۔ اس مینار کی سج دھج سب سے جدا ہے اور اس کی شان سب سے نرالی ہے۔ یہ مینار ہماری جرأت کا نشان ہے۔ یہ مینار ہماری ہمت، حوصلے اور قربانیوں کی علامت ہے۔ یہ مینار بھی باقی میناروں کی طرح ایک کہانی سناتا ہے لیکن اس کی کہانی باقی سب میناروں کی کہانیوں سے الگ ہے۔ اس کی کہانی میں ایک درد بھی ہے اور حوصلہ بھی۔ آیئے اس مینار کی کہانی غور سے سنیں، وہ کہہ رہا ہے:

"پیارے دوستو! میں دیکھنے میں تو ایک مینار ہوں لیکن حقیقت میں میرے اندر پاکستان کی پوری تاریخ چھپی ہوئی ہے، ان لوگوں کی تاریخ جنھوں نے پاکستان بنانے کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کیا۔ جہاں میں آج کھڑا ہوں ٹھیک اسی جگہ آج سے کئی برس پہلے 23 مارچ 1940ء کو بہت سے مسلمان رہنما ایک بہت بڑا فیصلہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ وہ لوگ اپنے وطن کو انگریزوں سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ وہ غلامی کی زندگی سے تنگ آ چکے تھے، وہ آزادی حاصل کر کے اپنے وطن میں اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ ایسی حکومت جس میں وہ اسلام کے مطابق زندگی بسر کر سکیں، جس میں ہر کام قرآن کے قانون کے مطابق ہو، لیکن وہ جانتے تھے کہ ہندوستان میں ہندوؤں کی آبادی زیادہ ہے۔



انگریزوں کے چلے جانے کے بعد ہندو یہاں اسلامی حکومت قائم نہ ہونے دیں گے۔ وہ یہاں ایسی حکومت قائم کر دیں گے جس میں خدا کے قانون کے بجائے ہندو کا قانون ہوگا اس قانون میں مسلمانوں کو اچھوت سمجھا جائے گا۔

اُنھیں ڈر تھا کہ انگریز کی غلامی سے نجات پانے کے بعد مسلمان کہیں ہندو کے غلام نہ بن جائیں۔ مسلمانوں نے چاہا کہ وہ سچی آزادی حاصل کریں۔ جس میں صرف مسلمانوں کی حکومت ہو، اللہ کے قانون کی حکومت ہو۔ اس زمانے کے مسلمان اس مسئلے پر بہت عرصے سے سوچ رہے تھے۔ آخر علامہ اقبالؒ نے اس کا ایک حل نکالا کہ کیوں نہ ہم اپنا ایک الگ ملک بنائیں۔ ایک نیا ملک، ان علاقوں کو ملا کر جن میں مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔

علامہ اقبالؒ کی یہ تجویز قائداعظمؒ کو بہت پسند آئی۔ چنانچہ انھوں نے اس تجویز پر غور کرنے کے لیے 1940ء میں ایک جلسہ کیا۔ یہ جلسہ یہیں ہوا تھا جہاں سے مَیں آپ کو یہ کہانی سنا رہا ہوں۔ اس جلسے کے صدر قائداعظمؒ تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کے سامنے ایک نیا ملک بنانے کی تجویز پیش کی۔ انھوں نے فرمایا: ہم ہندوستان کے شمال مغرب اور شمال مشرق کے ان صوبوں کو ملا کر ایک نیا اسلامی ملک بنانا چاہتے

ہیں جہاں مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ہمیں یہ حق حاصل ہونا چاہیے کہ ہم ان صوبوں میں اسلامی حکومت قائم کریں۔

قائداعظمؒ کے تمام ساتھیوں کو یہ تجویز اچھی لگی۔ تجویز منظور ہو گئی تو قائداعظمؒ نے اس کی کامیابی کے لیے دن رات کام کرنا شروع کر دیا، ہندوستان کے تمام مسلمانوں کو مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع کیا اور انھیں ایک الگ اسلامی وطن قائم کرنے کے فائدے سمجھائے۔ سب مسلمان متحد ہو گئے۔ سب نے مل کر کہا "لے کے رہیں گے پاکستان" "بن کے رہے گا پاکستان۔" پاکستان وہ نام تھا جو لوگوں نے اس نئے اسلامی ملک کے لیے چنا تھا۔ یہ نام سب سے پہلے چودھری رحمت علی اس نے وقت تجویز کیا تھا جب وہ انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انگریز اور ہندو مسلمانوں کے پہلے ہی مخالف تھے۔ اس نعرے سے ان کی مخالفت اور بڑھ گئی تو انھوں نے کہا ہم پاکستان نہیں بننے دیں گے لیکن قائداعظمؒ بھی اپنے ارادے کے پکے تھے، وہ اپنے مقصد پر ڈٹے رہے۔ انھوں نے ہندوؤں اور انگریزوں کو للکار کر کہا "تم کون ہوتے ہو ہمارے راستے میں روڑے اٹکانے والے، پاکستان خدا کے فضل سے بن کر رہے گا۔"

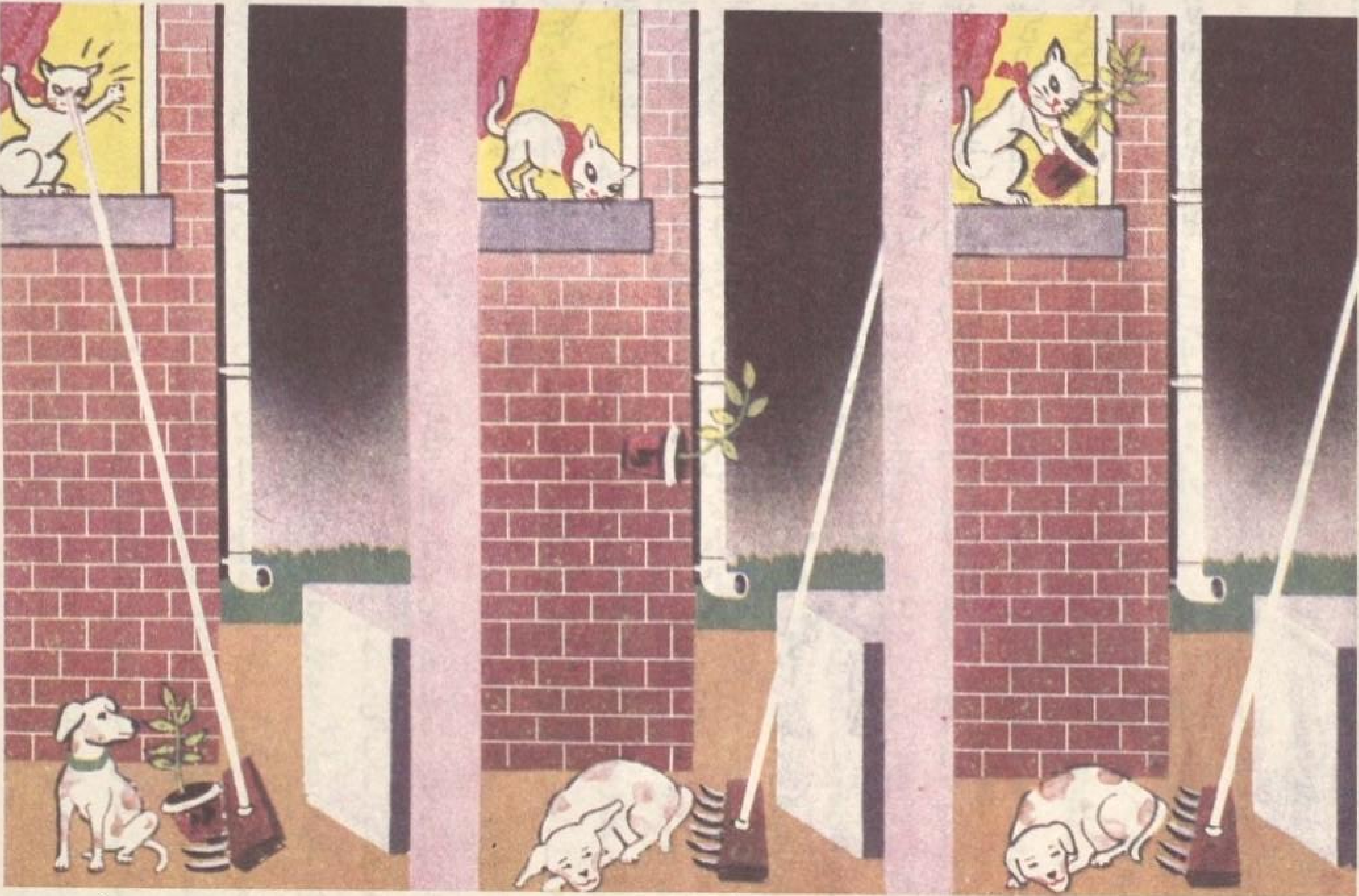
قائداعظمؒ نے پاکستان کے قیام کے لیے بڑی محنت کی۔ ان کے ساتھ مسلمان بھی محنت کرتے رہے۔ جوان بھی، بوڑھے بھی، مرد بھی، عورتیں بھی حتٰی کہ بچے بھی۔ ان سب نے مل کر جدوجہد کی اور ایک دن سچ مچ پاکستان بن گیا۔ صرف سات برس کے اندر 1947ء میں جب پاکستان بنا تو سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی۔ اگرچہ اس وقت میری حیثیت زمین کے ایک ٹکڑے سے زیادہ نہ تھی۔ ابھی مجھے یہ بلندی اور مرتبہ نہیں ملا تھا جو مجھے آج حاصل ہے لیکن میں پھر بھی بہت خوش تھا۔ اس لیے کہ پاکستان کا وہ جھنڈا جو سب سے پہلے میرے سینے پر گاڑا گیا تھا، اب گاؤں گاؤں شہر شہر اور ملک ملک لہرا رہا ہے۔ پاکستان کا وہ نعرہ جو سب سے پہلے میری چھاتی پر کھڑے ہو کر لگایا تھا اب اس کی آواز پوری دُنیا میں گونج رہی تھی۔ لیکن اس خوشی کے ساتھ ساتھ میری آنکھوں میں غم کے آنسو بھی تھے۔ تم جانتے ہو کیوں؟ اس لیے کہ پاکستان بنتے ہی لاکھوں کی تعداد میں مسلمان ہندوستان سے لٹ لٹا کر میرے پاس آنے لگے۔ یہ لوگ بڑی مصیبتیں جھیل کر آئے تھے۔ انھوں نے پاکستان کی خاطر بڑی بڑی قربانیاں دی تھیں۔ انھوں نے اپنا گھر بار، اپنی دولت، اپنے بیٹے بیٹیاں حتٰی کہ سب کچھ پاکستان اور اسلام پر قربان کر دیا تھا۔ مَیں جب اِنھیں اس حال میں دیکھتا تو خون کے آنسو روتا۔

ان لوگوں کے ایمان بہت پختہ تھے۔ وہ بہت صابر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فضل کیا۔ جلد ہی ان کا غم خوشی میں بدل گیا اور وہ خوش حال ہو گئے۔ یہ لوگ اب بھی میرے پاس آتے ہیں۔ ہنستے مسکراتے وطن کی عظمت کے ترانے گاتے، پاکستان کی سلامی کی دُعائیں مانگتے ہیں۔ مَیں ان سے مل کر بہت خوش ہوتا ہوں اور انھیں نصیحت کرتا ہوں:

"میرے ہم وطنو! یہ ملک تم نے اور تمھارے باپ دادا نے بڑی مصیبتیں جھیل کر حاصل کیا ہے۔ اس ملک کو قائم رکھنا، اس کی آزادی کی حفاظت کرنا اور اگر وقت آن پڑے تو بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہ کرنا۔"

دیکھا آپ نے، کتنی دلچسپ ہے مینار پاکستان کی کہانی۔ مینار پاکستان سچ مچ ہماری آزادی کا نشان ہے۔ ہماری ہمت اور محنت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ خدا پاکستان اور اس مینار کو ہمیشہ قائم رکھے اور یہ ہمیشہ اپنی داستان سناتا رہے۔

**شرارت کی سزا:** نیچے دی ہوئی تصویریں غور سے دیکھیے اور ان سے ایک دلچسپ کہانی بنائیے:



1- اچھا! تو یہ ہیں ڈبّو!

2- مَیں دیکھتی ہوں ڈبّو کیسے سوئے رہتے ہیں۔

3- ہائے اللہ۔۔۔۔۔۔میں مرگئی، ہائے میری ناک۔۔۔۔۔۔!

# ثریا کی دیانت داری

صبح کا وقت تھا۔ پرندے درختوں پر چہچہا رہے تھے۔ سورج نکلے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی۔ بچے ناشتے سے فارغ ہو کر سکول کی طرف جا رہے تھے۔ وہ قہقہے لگاتے، ایک دوسرے کے پیچھے بھاگتے اور کھیلتے کودتے چلے جا رہے تھے۔ اسی راستے پر سات آٹھ سال کی ایک لڑکی ہاتھ میں برتن لیے بے پروائی سے چلی جا رہی تھی۔ وہ برتن کو کبھی گھماتی، کبھی ادھر ادھر اچھالتی، معلوم ہوتا تھا، کچھ خریدنے جا رہی ہے۔

دودھ دہی کی دکان قریب ہی تھی۔ وہ اس دکان پر پہنچی، برتن دکان کے چبوترے پر رکھا اور دایاں ہاتھ اپنی جیب میں ڈالا، جیب خالی تھی۔ وہ گھبرا گئی۔ برتن وہیں چھوڑا اور الٹے پاؤں لوٹ گئی۔ اب اس کی نگاہ زمین پر تھی۔ وہ اپنے کھوئے ہوئے پیسے ڈھونڈ رہی تھی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی، کون آ رہا ہے، کون جا رہا ہے۔

لڑکی نے بہت ڈھونڈا، اِدھر اُدھر نگاہ دوڑائی مگر اپنی نقدی کہیں نہ پائی۔ وہ سسکیاں بھرنے لگی۔ بچے اٹھکیلیاں کرتے سکول کی طرف بڑھتے گئے اور اس سے اتنا بھی نہ پوچھا کہ کیا ہوا؟

انور بھی اپنی کتابیں بغل میں دابے سکول جا رہا تھا۔ وہ ننھی لڑکی کے پیچھے پیچھے تھا۔ اس نے ننھی لڑکی کو روتے دیکھا تو پوچھا ''گڑیا! کیا ہوا۔ روتی کیوں ہو؟'' لڑکی نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا ''میری امی بیمار ہیں۔ مجھے انھوں نے دس روپے کا نوٹ دودھ لانے کے لیے دیا تھا وہ راستے میں کہیں گر گیا ہے۔ اب میں دودھ کیسے خریدوں گی؟'' انور کو کاپی خریدنے کے لیے آج گھر سے دس روپے ملے تھے۔

اس نے کچھ سوچا، پھر جیب میں ہاتھ ڈالا اور لڑکی کو چمکارتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو روپے اور دُودھ لے جاؤ۔'' لڑکی نے شکر گزار نظروں سے انور کو دیکھا اور دُودھ خرید کر گھر کی طرف چل دی۔ انور دکان پر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر وہ دکان سے آگے بڑھنا چاہتا ہی تھا کہ لڑکی واپس آتی ہوئی دکھائی دی۔ وہ اسی جگہ ٹھہر گیا۔ لڑکی اس کے پاس آئی اور بولی ''بھیا! یہ لیجیے روپے۔ میرا نوٹ مجھے مل گیا ہے۔ آپ کا شکریہ!''۔

دکاندار انور کا ایثار اور لڑکی کی دیانت داری دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس نے دونوں کو شاباش دی اور دُعا دے کر کہا بچو'' پاکستان کو تم جیسے نیک اور دیانت دار بچوں کی ضرورت ہے۔ خدا تمھاری عمر دراز کرے اور تم ہمیشہ نیک کام کرتے ہو۔''

انور سکول چلا گیا اور ننھی ثریا اپنے گھر چلی گئی، مگر دکاندار کئی روز تک اپنے گاہکوں کو یہ قصہ سناتا رہا۔

# علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ

ہم میں سے کون ہے جو علامہ اقبال سے واقف نہیں۔ ان کا نام سنتے ہی ہمارے دل میں ادب اور احترام کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس لیے کہ پاکستان کا خواب سب سے پہلے اقبالؒ ہی نے دیکھا تھا۔ ان سے پہلے حیدر علی، ٹیپو سلطان، سراج الدولہ، فضل حق خیر آبادی اور سر سیّد احمد خان نے بھی مسلمانوں کی آزادی کے لیے بہت کچھ کیا لیکن قوم کو پاکستان کا تصور سب سے پہلے اقبالؒ ہی نے دیا تھا۔ وہ ہماری قوم کے بہت بڑے محسن ہیں۔

اقبالؒ ایک عظیم شاعر تھے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں محبت کا رس گھولا، اسی لیے اس میں بے حد اثر تھا۔ وہ جو بات کہتے تھے دل میں اتر جاتی تھی۔ ان کے شعر آج بھی دلوں میں جوش اور تڑپ پیدا کر دیتے ہیں۔ انھوں نے قوم کو آزادی، محبت، محنت، اتحاد اور اتفاق کا پیغام دیا۔

اقبالؒ سیالکوٹ کے شریف گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کے ماں باپ دونوں عبادت گزار اور نیک مسلمان تھے۔ پھر اقبال کو جو اُستاد ملے وہ بھی بہت دین دار اور نیک تھے، اس لیے اقبالؒ پر نیکی کا بڑا گہرا رنگ چڑھ گیا۔ وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔ انھیں قرآن مجید سے بے حد محبت تھی۔ وہ ہر روز قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ اکثر تلاوت کے وقت ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگتے یہاں تک کہ قرآن مجید کے ورق تر ہو جاتے تھے۔ آپ قرآن مجید پڑھتے ہوئے اس کے مطلب پر غور کرتے اور پھر ان باتوں کو شعروں میں بیان کر دیتے۔

جس زمانے میں اقبالؒ پیدا ہوئے تھے، اس زمانے میں ہمارے ملک پر انگریز کی حکومت تھی اور یہاں کے مسلمان غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اقبالؒ نے انھیں بتایا کہ آزادی بہت بڑی نعمت ہے اور غلامی بہت بڑی لعنت۔ وہ غفلت کی نیند سو رہے تھے۔ اقبال نے اپنی شاعری کے ذریعے انھیں جگایا۔

اقبالؒ کے دل میں قوم کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ وہ اپنی قوم کو ایک طرف انگریزوں کی غلامی میں جکڑا ہوا اور دوسری طرف ہندوؤں کے شکنجے میں پھنسا ہوا دیکھتے تو ان کا دل درد سے بھر آتا۔ وہ چاہتے تھے کہ اُن کی قوم اِن زنجیروں اور شکنجوں سے آزاد ہو جائے اور دُنیا کی دوسری قوموں کی طرح سربلند ہو۔ چنانچہ انھوں نے اپنی پوری زندگی قوم کو سمجھانے اور اسے ترقی کی منزل تک پہنچانے کے لیے وقف کر دی۔ اسی لیے ہم انھیں عظیم قومی شاعر کہتے ہیں۔



اقبالؒ کو تمام مسلمانوں سے محبت تھی۔ انھیں عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں سے بھی پیار تھا۔ وہ ان سب کی بہتری اور ترقی چاہتے تھے، وہ ساری دُنیا کے مسلمانوں کو ایک ملت سمجھتے تھے، اسی لیے انھوں نے اپنا پیغام ان تک بھی پہنچایا۔ اسی لیے

انھوں نے اُردو کے ساتھ ساتھ اپنی بہت سی نظمیں فارسی زبان میں لکھیں اور انگریزی میں بھی اپنا پیغام دیا۔ اسی طرح انھوں نے تمام مسلمانوں کو محبت اور اتحاد کا سبق دیا اور انھیں ان کی کھوئی ہوئی عظمت یاد دلائی۔ اقبالؒ ایک عظیم انسان تھے۔ اُن کی بہت سی نظمیں ایسی ہیں جو اُنھوں نے محض مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری دُنیا کے انسانوں کے لیے لکھیں۔ اقبالؒ کو یہ شکایت ہے کہ انسان نے اپنے آپ کو پہچانا نہیں۔ ان کے خیال میں انسان کے اندر ایک بہت بڑی طاقت ہے۔ اگر انسان اپنی اس طاقت کو پہچان لے تو پھر وہ کبھی کسی کا غلام نہیں رہ سکتا ہے اور نہ کسی کے سامنے جھک سکتا ہے۔ اقبالؒ یہ چاہتے ہیں کہ انسان اپنی کوشش اور محنت سے اتنی ترقی کرے کہ دُنیا کی چیزیں اس کے قابو میں آجائیں۔ جب علامہ اقبالؒ کا یہ پیغام دُنیا کے بڑے بڑے فلسفیوں تک پہنچا تو وہ بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے علامہ اقبالؒ کے پیغام کو عام کرنے کے لیے کئی کتابوں کے ترجمے اپنی اپنی زبانوں میں کرائے۔

اقبال کسی خاص طبقے کے شاعر نہیں وہ بچوں، جوانوں اور بوڑھوں سبھی میں مقبول ہیں۔ انھیں بچوں سے خاص انس تھا۔ اسی لیے اقبالؒ نے جہاں اپنے جوانوں کے لیے کچھ لکھا، وہاں بچوں کے لیے بھی اچھی اچھی نظمیں لکھیں۔ اقبالؒ نے بچوں کے لیے ایک دعا لکھی جس کا پہلا شعر یہ ہے!

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

آج یہ دعا بچے بچے کی زبان پر ہے۔ مدرسے کے کام کا آغاز اسی دعا سے ہوتا ہے۔

اس دُعا کا ہر شعر پیارا ہے۔ اس دُعا سے بچوں کے دلوں میں نیک بننے، غریبوں کی حمایت کرنے اور دردمندوں اور ضعیفوں سے محبت کرنے کے نیک جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ اقبالؒ نے اپنی کتاب ''بانگ درا'' میں بچوں کے لیے اور بھی بہت سی نظمیں لکھی ہیں مثلاً ہمدردی، ماں کا خواب، پہاڑ اور گلہری، مکڑا اور مکھی، گائے اور بکری، پرندے کی فریاد۔ ان تمام نظموں میں اقبالؒ نے بچوں کو بڑے قیمتی سبق دیے ہیں۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

نہیں ہے چیز نکمّی کوئی زمانے میں
کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

لوگ ان کی کتابیں پڑھتے ہیں اور ان کی باتوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے شعر پڑھ کر خوش ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری نے سچ مچ ہماری قوم کو ایک نیا جذبہ اور حوصلہ عطا کیا ہے۔ اقبالؒ کی شاعری ہمیشہ زندہ رہے گی اور اقبالؒ ہمیشہ ہمارے دلوں پر حکومت کرتے رہیں گے۔

# کم سن شہید



20 اگست 1971ء کی روشن صبح تھی۔ پاک فضائیہ کے تربیت پانے والے ہوابازوں کا ایک دستہ اپنی مشقی پرواز پر روانہ ہونے کے لیے تیار تھا۔ تمام ہواباز اپنے اپنے طیارے میں اگلی نشست پر پرواز کے لیے بالکل تیار بیٹھے تھے کہ ''رن وے'' پر ایک موٹر نظر آئی۔ اس موٹر میں ان ہوابازوں کو تربیت دینے والا استاد بیٹھا تھا۔ اس نے ایک طیارے کی طرف غور سے دیکھا جس میں لمبی لمبی خوبصورت آنکھوں والا، دبلے پتلے لیکن چست بدن کا ایک نوعمر ہواباز اپنا طیارہ چلانے ہی کو تھا۔ استاد نے اسے ہاتھ کے اشارے سے رک جانے کا حکم دیا اور بڑی پھرتی سے طیارے کے قریب پہنچ گیا۔

نوعمر ہواباز استاد کے حکم سے رک گیا، جو اس سے کچھ بات کرنے کے بعد اس کے طیارے میں بیٹھ گیا۔ یہ عجیب سی بات تھی۔ اس لیے کہ ایسی پروازوں پر تربیت پانے والے نوجوان اکیلے ہی جاتے ہیں۔ استاد نہ صرف کاک پٹ میں بیٹھ گیا بلکہ اس نے زبردستی طیارے کو اڑانا شروع کر دیا۔

نوعمر ہواباز اس کی اس حرکت سے پہلے ہی حیران تھا اور اب تو اس شخص کے ارادے صاف ظاہر تھے۔ وہ اصل میں غدار تھا اور طیارے کو بھارت لے جانا چاہتا تھا۔ اس وقت وہ بھارتی سرحد سے صرف چونسٹھ کلومیٹر دور رہ گیا تھا۔ نوعمر ہواباز جو پہلے ہی سے چوکنا ہو رہا تھا، سب کچھ بھانپ گیا۔ اپنے سے دُگنے طاقت ور اور تجربہ کار استاد کو اس حرکت سے باز رکھنے کے لیے اس کے پاس ایک ہی حربہ تھا اور یہ حربہ اس نے پاک فضائیہ کے جانباز افسروں کی روایت کے مطابق بڑے حوصلے اور سکون سے استعمال کیا۔

اچھی طرح یقین کر لینے کے بعد کہ اب طیارے پر دوبارہ قابو پانا ممکن نہیں، اس نے طیارے کا رخ زمین کی طرف کر دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے طیارہ گر کر تباہ ہو گیا۔ یہاں سے بھارتی سرحد صرف پچاس کلومیٹر دور رہ گئی تھی۔ اس طیارے کی تباہی اس کی شہادت کا بہانہ بن گئی اور اس کی شہادت نے ایک طیارے کے علاوہ فضائیہ کے خفیہ رازوں کو بھارت کی سرحد میں داخل ہونے سے بچا لیا۔

اس کارنامے پر حکومت پاکستان نے اس نوعمر ہواباز کو ''نشان حیدر'' کا اعزاز دیا جو کہ پاکستان کا سب سے بڑا فوجی اعزاز ہے اور ان لوگوں کو دیا جاتا ہے جو بہادری اور جرأت کے عظیم ترین کارنامے انجام دیتے ہیں۔ اب تک یہ اعزاز ہمارے دس فوجی افسروں کو ملا ہے۔ جن میں یہ نوعمر ہواباز بھی شامل ہے۔ جس کا نام راشد منہاس ہے۔ راشد منہاس شہید پاک فضائیہ کے تربیتی ادارے میں ہوابازی کی تربیت پا رہا تھا اور اس طرح وہ ابھی طالب علم ہی تھا۔ اس کی شہادت اور اعزاز نے پاکستان کے طالب علموں کا سر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بلند کر دیا ہے۔

راشد منہاس شہید شروع ہی سے جانبازی اور دلیری کے کارناموں میں دلچسپی رکھتا تھا۔ اس کو مُطالعے کا بہت شوق تھا۔ وہ بہت چھوٹی عُمر سے جنگی کارناموں اور بڑے بڑے جرنیلوں کے حالاتِ زندگی پڑھتا رہتا تھا۔ مُطالعے کے علاوہ وہ اپنی ڈائری بھی پابندی سے لکھنے کا عادی تھا، جس میں اکثر قومی جذبے اور وطن کی محبت سے متعلق بڑے بڑے لوگوں کے اقوال بھی نقل کیا کرتا تھا۔




راشد منہاس نے اپنی شہادت سے چند دن پہلے اپنی چھوٹی بہن سے کہا تھا۔ ''میں جنگی قیدی بننے سے مر جانا بہتر سمجھتا ہوں'' اور چند ہی روز بعد اس نے اپنے عمل سے یہ بات ثابت بھی کر دی۔

جس جگہ اس کم سن مجاہد کا طیارہ زمین سے ٹکرایا تھا، وہ جگہ اب شہید ڈیرا کہلاتی ہے۔ پہلے اس جگہ کا نام جنڈے تھا۔ یہ کراچی سے شمال مشرق کی جانب دریائے سندھ کے مغربی کنارے سے ڈیڑھ سو کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ طیارہ گرتے ہی راشد اور اس کا استاد دونوں ہی ہلاک ہو گئے لیکن ایک غدّارِ وطن کہلایا اور دوسرا کم سن شہید ''نشانِ حیدر'' کا مستحق بنا۔

## مشق

1- راشد منہاس نے طیارہ کیوں تباہ کر دیا؟

2- اگر طیارہ تباہ نہ ہوتا تو کیا نقصان ہوتا؟

3- نشانِ حیدر کن لوگوں کو دیا جاتا ہے؟

4- راشد منہاس کو کم سن شہید کیوں کہتے ہیں؟

5- راشد منہاس کو مطالعے کے بعد اپنی ڈائری لکھنے کا شوق تھا۔ کیا آپ نے بھی اپنی ڈائری بنا رکھی ہے؟ اگر بنا رکھی ہے تو اس میں آپ کیا لکھتے ہیں؟

6- اپنے ہم جماعتوں سے مل کر گفتگو کیجیے۔ سب باری باری بتائیں کہ وہ بڑے ہو کر اپنے وطن کی خدمت کس طرح کریں گے؟

7- نیچے دیے گئے لفظوں کو ان کے ہجّوں کے اعتبار سے ترتیب دے کر ان کے معنی لکھیے:

ترتیب۔ پرواز۔ نوعمر۔ کم سن۔ مستحق۔ چوکنا۔ جانباز۔ اعزاز۔ تدبر۔ عمل۔ طیارہ۔ حربہ۔ جرأت۔ شہادت۔

8- جن شہیدوں کو نشانِ حیدر مل چکا ہے۔ ان کی تصویریں البم میں لگائیے اور ان کے نام لکھیے۔

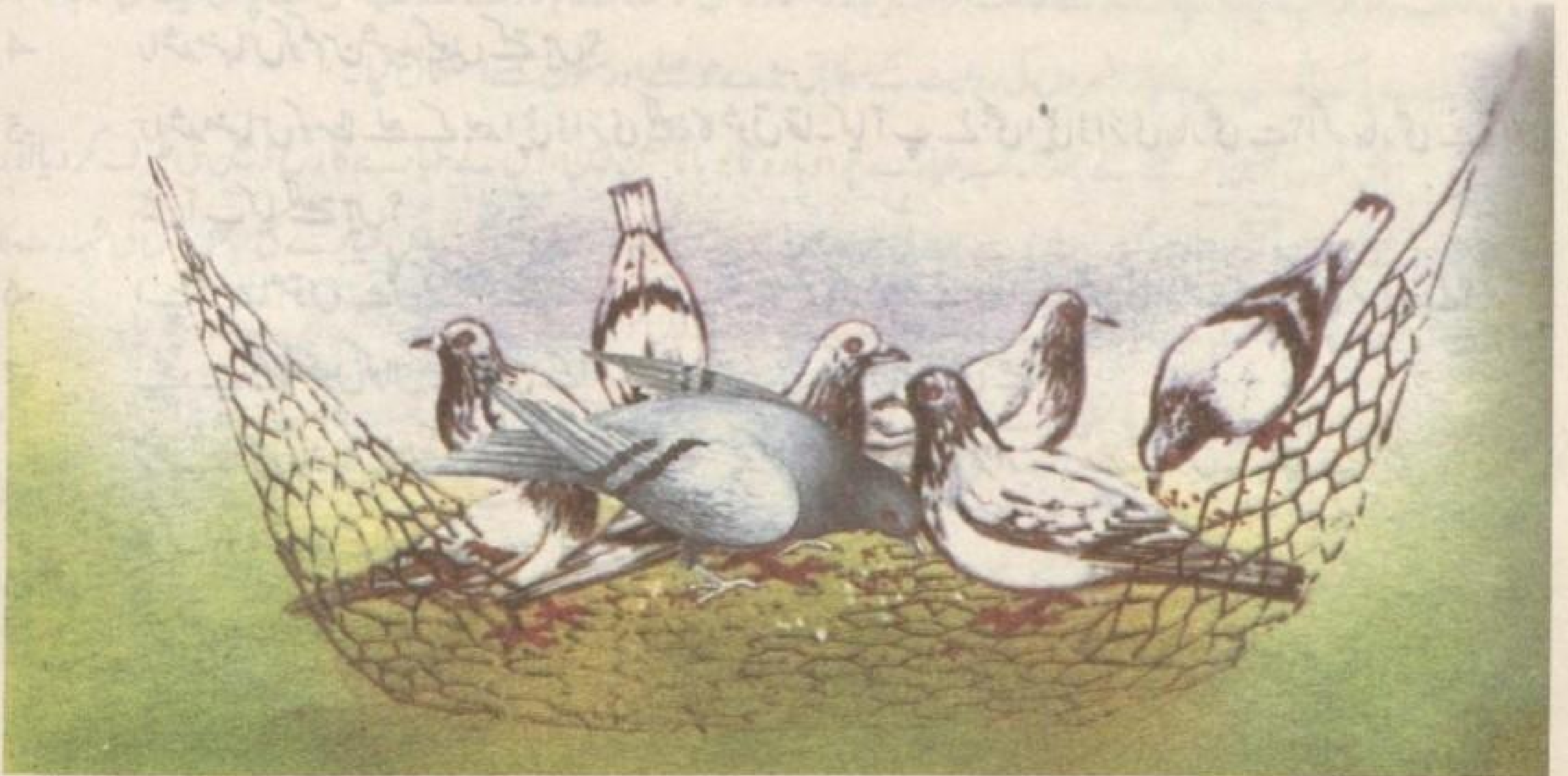
# مل کر اپنا کام بنائیں

ایک دفعہ کا ذکر ہے، کبوتروں کا ایک غول اڑا جا رہا تھا۔ اس غول میں ہر رنگ اور ہر عمر کے کبوتر تھے۔ یہ سبھی کبوتر ایک دوسرے کے آگے پیچھے دائیں بائیں اڑے چلے جا رہے تھے۔ کبوتروں کا یہ غول خوراک کی تلاش میں نکلا تھا۔ سب کی نظریں زمین پر تھیں تاکہ کہیں دانہ دنکا نظر آئے تو زمین پر اتر پڑیں اور اسے چگ لیں۔ اڑتے اڑتے وہ ایک کھیت پر سے گزرے۔ کھیت میں دانے بکھرے پڑے تھے۔ کچھ کبوتروں کی نظر ان دانوں پر پڑی۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے کہا: بس یہیں رک جاؤ، وہ دیکھو نیچے کھیت میں دانے پڑے ہیں، آؤ سب نیچے اتریں اور دانے چگ لیں۔

ان میں ایک بوڑھا کبوتر بہت دانا تھا۔ اس نے نیچے کی طرف غور سے دیکھا۔ وہ جان گیا کہ یہ دانے کسی شکاری نے بکھیرے ہیں۔ اس نے سوچا کہ شکاری نے جال بھی بچھا رکھا ہوگا۔ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "ساتھیو یہاں نہ اُترو۔ یہ دانے کسی شکاری نے بکھیرے ہیں، مجھے ڈر ہے کہیں ہم کسی مصیبت میں نہ پھنس جائیں"۔

کبوتروں کو سخت بھوک لگ رہی تھی، دانہ دیکھ کر وہ صبر نہ کر سکے۔ انھیں بوڑھے دانا کبوتر کی نصیحت پسند نہ آئی۔ وہ نیچے اتر آئے۔ بوڑھا کبوتر بھی ان کے پیچھے پیچھے اتر آیا۔ وہ سب بھوکے تو تھے ہی، آتے ہی دانے پر ٹوٹ پڑے۔ انھیں پتا بھی نہ چلا کہ وہ سب جال میں پھنس چکے ہیں۔ یہ دانے شکاری ہی نے بکھیرے تھے اور اُن پر اُس نے جال بھی بچھا رکھا تھا۔

دانہ کھا کر کبوتروں نے اُڑنا چاہا تو انھیں پتا چلا کہ وہ سب جال میں پھنس چکے ہیں۔ وہ بہت گھبرائے۔ اب انھیں بوڑھے کبوتر کی نصیحت یاد آئی لیکن کیا ہو سکتا تھا! لگے زور زور سے پر مارنے اور پھڑ پھڑانے۔ جال کی رسیاں مضبوط تھیں، بچ نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ بوڑھا کبوتر بھی سب کے ساتھ جال میں پھنسا ہوا تھا۔ وہ ان سے کہنے لگا۔



''ساتھیو! تم نے میری نصیحت نہ سُنی اور آخر اس مصیبت میں پھنس گئے لیکن میں یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ تمھارا ساتھ چھوڑ کر اپنی جان بچالوں''۔

کبوتروں نے اس سے کہا'' خدا کے لیے کوئی ترکیب بتاؤ جس سے ہماری جان بچ سکے''۔

وہ بولا'' یہ جال بہت مضبوط ہے، ہم میں سے کوئی بھی اتنا طاقت ور نہیں کہ اسے توڑ سکے۔ صرف ایک ترکیب ہے۔ وہ یہ کہ ہم سب مل کر ایک ہی بار زور لگائیں اور جال کو لے اڑیں۔''

سب نے کہا'' ہم مل کر زور لگائیں گے''۔

اتنے میں انھیں دُور سے آتا ہوا ایک شکاری دکھائی دیا۔ بوڑھے کبوتر نے کہا'' ساتھیو! تیار ہو جاؤ، سب مِل کر زور لگاؤ اور جال اُڑا لے جاؤ ورنہ وہ رہا شکاری، جو ہم سب کو پکڑ لے گا۔'' یہ سننا تھا کہ سب کبوتر ایک ہی بار زور لگا کر اُوپر کو اٹھے اور جال کو اڑا لے گئے۔ شکاری یہ حال دیکھ کر بہت حیران ہوا، اسے کیا خبر تھی کہ چھوٹے چھوٹے پرندے بھی ایکا کر لیں تو بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں۔

## مشق

1- بوڑھے کبوتر نے اپنے ساتھیوں کو کیا نصیحت کی تھی؟

2- کبوتروں نے اپنے بزرگ کی بات نہ مانی تو انھیں کیا تکلیف ہوئی؟

3- مصیبت سے بچنے کے لیے بوڑھے کبوتر نے کیا طریقہ بتایا؟

4- مل جل کر کام کرنے سے کیا فائدے ہوتے ہیں؟

5- اتفاق میں برکت ہے۔ اس کے متعلق دس جملے لکھیے۔

6- ان الفاظ کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے۔

قول۔ دانا ۔مضبوط۔ ترکیب۔ نصیحت

7- اس سبق سے دس ایسے الفاظ چُن کر لکھیے جو کام کرنے کے معنی دیتے ہوں، جیسے آؤ۔ دیکھا۔ آئی۔ (ایسے لفظوں کو فعل کہتے ہیں)

8- جمع بنائیے:

بوڑھا۔ دانہ۔ رسّی۔ لڑکا۔ لڑکی

# محنت

اے نونہال بچّو! محنت سے کام کرنا
محنت کے بل پہ ساری دُنیا کو رام کرنا

محنت سے چل رہے ہیں دُنیا کے کارخانے
محنت سے مِل رہے ہیں ہر قوم کو خزانے

سب دستکاریوں میں ڈالی ہے جان اس نے
مزدور کو دکھا دی دولت کی کان اس نے

محنت کرے گا جو بھی، دولت اسے ملے گی
راحت اسے ملے گی ، عزّت اسے ملے گی

جو قوم چاہتی ہے دُنیا میں نام کرنا
نیّرؔ وہ جانتی ہے محنت سے کام کرنا

(شفیع الدین نیّرؔ)

## مشق

1- ان لفظوں کے معنی کاپی میں لکھیے:
محنت۔ بل۔ راحت۔ نام کرنا۔ رام کرنا

2- اس نظم سے وہ الفاظ چُنیے جن کے آخر میں ''ے'' ہو اور ان لفظوں کو خوش خط لکھیے جیسے اے۔ ہے۔ کارخانے۔۔۔

3- اپنی کاپی میں محنت کے چار فائدے لکھیے۔

4- الٹ معنوں والے لفظ لکھیے۔
بچہ۔ بڑا۔ آرام۔ خوش

# اسلام کی تبلیغ

اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں بہت سے نبی بھیجے جنھوں نے اپنے اپنے دور میں اپنی قوم کو اللہ کا پیغام سُنایا۔ انھیں نیک کام کرنے کا حکم دیا۔ بُرے کاموں سے روکا۔ آپس میں امن وسلامتی سے رہنے کا ڈھنگ سکھایا۔ انھیں صرف اللہ کی عبادت کرنے اور اسی کی رضا حاصل کرنے کی تعلیم دی تاکہ وہ دُنیا میں بھی اچھی زندگی گزاریں اور مرنے کے بعد جنّت کے مستحق بھی ہوں۔ ان سب انبیاؑ کی نبوت کا مقصد دینِ حق کی تبلیغ کرنا تھا جسے انھوں نے ہر طرح کے حالات میں پورا کیا۔

سب نبیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دُنیا میں بھیجا۔ آپؐ اللہ کے آخری نبی اور آخری رسولؐ ہیں۔ نبوت کا سلسلہ آپؐ کی ذات پاک پر ختم ہوگیا ہے۔ آپؐ کی نبوت قیامت تک کے لیے دُنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہے کیوں کہ دُنیا کی اصلاح وہدایت کے لیے اب کوئی نبی یا رسول نہیں آئے گا۔

نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا۔ قرآن مجید اللہ کی آخری کتاب ہے جو ساری دُنیا کے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے نازل کی گئی ہے۔ نبی اکرمؐ کی نبوت کے ساتھ الہامی کتابوں کے نزول کا سلسلہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے ساتھ اسلام کا دین مکمل کر دیا گیا۔ اب کوئی اور دین اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ پوری انسانیت دین و دُنیا کی فلاح کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور قرآن مجید کی تعلیمات کی محتاج ہے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ پوری انسانیت کو ہدایت کے ان روشن میناروں کے آگاہ کیا جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود زندگی بھر دینِ اسلام کو پھیلانے کی سعی فرماتے رہے۔ اعلانِ نبوت کے بعد حضورؐ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دین کی تبلیغ میں صرف ہوا۔ اس کام کو پورا کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے شمار تکلیفیں اور مصیبتیں بھی برداشت کیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کام سے روکنے کے لیے کفار نے آپ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ طرح طرح کے لالچ دے کر بھی اس نیک کام سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن آپؐ نے فرمایا کہ اگر میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا کر رکھ دیا جائے اور دُنیا بھر کی دولت میرے قدموں میں ڈھیر کر دی جائے تب بھی مَیں اس کام سے باز نہ آؤں گا۔

نبی اکرمؐ نے خود بھی دین کی تبلیغ فرمائی اور اپنے صحابہؓ کو بھی یہی فرض سونپا۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ جو کچھ مجھ سے سنو اسے دوسروں تک پہنچاؤ خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔ اسی ارشاد کی تعمیل میں صحابہ کرامؓ عرب وعجم کی وسعتوں میں پھیل گئے۔ انھوں نے کفر وشرک کی تاریکیوں میں توحید کی شمعیں روشن کیں یہاں تک کہ بہت تھوڑی مدّت میں اسلام کی روشنی افریقہ، ایشیا اور یورپ کے ملکوں تک جا پہنچی۔

نبی کریمؐ اللہ کے آخری نبی ہیں اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تبلیغ دین کا فریضہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو سونپا گیا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ کا ارشاد ہے کہ اے ایمان والو! تم بہترین امت ہو، تمھیں دُنیا کے انسانوں کے لیے اٹھایا گیا ہے۔ تم نیک کاموں کا حکم دیتے ہو اور بُرے کاموں سے روکتے ہو۔۔۔۔ اللہ اور اللہ کے رسول کے انھی احکام کو بجالانے کے لیے اُمّتِ مسلمہ

کے بہترین لوگ تبلیغِ دین کا کام کرتے چلے آرہے ہیں۔ان میں علما بھی ہیں اور صوفیا بھی، فقہا بھی ہیں اور اولیا بھی۔انھی بزرگوں کی کوششوں کا ثمر ہے کہ اسلام کی آواز آج دنیا کے کونے کونے میں گونج رہی ہے۔

دُنیا کے دوسرے علاقوں کی طرح، ہماری اس سرزمین میں بھی بہت سے علما و اولیا تشریف لائے جنھوں نے کفر و شرک کی تاریکیوں میں توحید کی شمع روشن کی ۔قدیم زمانے میں یہاں تشریف لانے والے مبلغین میں شیخ علی ہجویریؒ کا نام نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔آپ کو داتا گنج بخشؒ یا داتا صاحب کے نام سے پکارا جاتا ہے۔آپ نے لاہور کو اپنی تبلیغ کا مرکز بنایا۔اسی نسبت سے لاہور کو داتا کی نگری بھی کہا جاتا ہے۔

شیخ علی ہجویریؒ بہت بڑے عالم اور ولی اللہ تھے۔آپ کی تبلیغ، اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ زندگی سے متاثر ہو کر لاکھوں کافروں نے اسلام قبول کر لیا اور انھی کے نقشِ قدم پر چل کر دینِ اسلام کی اشاعت میں مصروف ہو گئے۔

سرزمینِ پاک و ہند کے ایک اور سرکردہ ولی اللہ خواجہ معین الدّین چشتیؒ ہیں۔خواجہ صاحب نے بھی شیخ علی ہجویریؒ سے روحانی فیض حاصل کیا۔خواجہ معین الدّین چشتیؒ صوفیا کے ایک مشہور سلسلے کے بانی ہیں۔ان کا مزار اجمیر شریف میں ہے۔

سرزمین پاکستان میں جن بزرگوں کی تبلیغ و تربیت سے اسلام کی تعلیمات کو فروغ حاصل ہوا ان میں خواجہ فریدالدّین گنج شکرؒ، خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ، خواجہ شمس الدّین سیالویؒ، پیر مہر علی گولڑویؒ، پیر حیدر علی شاہ جلالپوریؒ میاں شیر محمد شرقپوریؒ جیسے عالم باعمل اور خدا رسیدہ اولیا کے اسمائے گرامی بھی شامل ہیں۔مبلغینِ اسلام کا یہ سلسلہ بہت وسیع ہے جو مدتوں سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا۔

دینِ اسلام کی تبلیغ پوری امتِ مسلمہ اور اس امت کے ہر باشعور فرد کی ذمہ داری ہے لہٰذا ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دین کا کامل علم حاصل کرے۔اپنی پوری زندگی کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرے۔اسلامی آداب و اخلاق اپنائے۔اپنے کاروبار، اپنی ملازمت اور اپنے معاملات میں دینی احکام کی پابندی کرے تاکہ اس کا عملی نمونہ بھی اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بن جائے۔

# اسلم کا گاؤں

گرمیوں کی چھٹیاں ہوئیں، عبدُالقادِر نے اپنے ابا جان سے کہا ''میں نے اپنے دوست اسلم سے وعدہ کیا تھا کہ چھٹیوں میں تمھارے گھر آؤں گا۔'' ابا جان بولے'' بیٹا! تم اکیلے سفر نہیں کر سکتے اس لیے اپنے بڑے بھائی نادِر کو ساتھ لے جانا۔'' عبدُالقادِر بہت خوش ہوا، اس نے ابا جان کا شکریہ ادا کیا اور اسی وقت اسلم کو خط لکھ کر وہاں پہنچنے کی تاریخ اور وقت کی اِطّلاع دے دی۔

ایک ہفتے بعد عبدُالقادِر اور نادر دونوں بھائی بس میں سوار ہو کر اسلم کے گاؤں پہنچ گئے۔ بس گاؤں کے باہر رُکی۔ اسلم اور اس کے ابا جان ان کا انتظار کر رہے تھے۔ دونوں دوست گلے ملے۔ عبدُالقادِر اور نادِر نے اسلم کے ابا جان کو سلام کیا۔ انھوں نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، دعا دی اور انھیں اپنے گھر لے آئے۔

اسلم کا گاؤں صاف ستھرا تھا۔ سب گلیاں اور نالیاں پکّی تھیں۔ چلتے چلتے وہ ایک بڑے دروازے پر پہنچے۔ یہی اسلم کا گھر تھا۔ صحن میں چارپائیاں بچھی ہوئی تھیں۔ سب وہیں بیٹھ گئے۔ اسلم کے ابا نے سب کو میٹھی لسّی پلائی۔ تھوڑی دیر بعد سب نے وہیں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اتنے میں اسلم کے کچھ دوست اُسے ملنے آگئے۔ اسلم نے اپنے دوستوں کا عبدُالقادِر سے تعارف کروایا۔ وہ اس سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ سب دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔



صبح سویرے اسلم اپنے دوست کو سیر کے لیے ساتھ لے گیا۔ وہ گاؤں سے باہر نکل آئے۔ دور تک سر سبز کھیت نظر آ رہے تھے۔ بڑے بڑے کھیتوں کے درمیان ایک چوڑی پٹڑی بنی ہوئی تھی۔ تھوڑی دور آگے ایک ٹیوب ویل تھا۔ ٹیوب ویل چل رہا تھا۔ وہاں دونوں نے نہا کر نماز پڑھی اور بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ اسلم نے عبدالقادر کو بتایا "یہاں پہلے رہٹ ہوتا تھا۔ رہٹ کو بیل چلاتے تھے لیکن پچھلے سال میرے ابا نے گاؤں والوں سے مل کر یہ ٹیوب ویل لگوایا۔ اب ان سب کھیتوں کو اسی ٹیوب ویل سے پانی دیا جاتا ہے۔ اب ہماری فصلیں بہت زیادہ اور اچھی ہوتی ہیں"۔

قریب ہی ایک ڈیرا تھا جس میں گائیں اور بھینسیں بندھی تھیں۔ ایک طرف بڑے بڑے پہیوں والی ایک موٹر سی کھڑی تھی۔ عبدالقادر نے پوچھا! "یہ کیا ہے؟"

اسلم بولا "یہ ٹریکٹر ہے۔ اس سے کھیتوں میں ہل چلاتے ہیں۔ یہ بھی گاؤں والوں نے مل کر خرید رکھا ہے۔ چنانچہ اسے بھی ہم سب مل کر استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح سب کو فائدہ پہنچتا ہے۔ جب سے ہمارے گاؤں والوں نے مل جل کر کھیتی باڑی شروع کی ہے، ہماری فصلیں پہلے سے زیادہ ہوگئی ہیں۔" عبدالقادر یہ سن کر بہت خوش ہوا۔ وہ ٹریکٹر پر چڑھ گیا اور اسے چلانے کی کوشش کرنے لگا۔ اسلم نے کہا "ٹھہرو! ابھی میرے ابا آئیں گے۔ ہم اِن کے ساتھ ٹریکٹر پر بیٹھ کر کھیتوں میں چلیں گے۔ اس ٹریکٹر کو میرے ابا ہی چلاتے ہیں"۔

اتنے میں اسلم کے ابا اور نادر ناشتا لے کر آ گئے۔ سب نے مل کر روٹی، مکھن اور لسی سے ناشتا کیا۔ اسلم کے ابا ٹریکٹر کو چلا کر ڈیرے سے باہر نکال لائے۔ آج اُنھیں اپنے ایک ساتھی کسان کے کھیت میں ہل چلانا تھا۔ عبدالقادر اور اسلم بھی ٹریکٹر پر چڑھ گئے۔

عبدالقادر بڑے غور سے ٹریکٹر کو چلتے ہوئے دیکھتا رہا اور دل میں سوچتا رہا کہ میرے ابا تو بیلوں سے ہل چلاتے ہیں اسی لیے وہ بہت تھک جاتے ہیں۔ پھر وہ زیادہ وقت میں بہت کم زمین میں ہل چلا سکتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ میرے ابا بھی ایک ایسا ہی ٹریکٹر لے لیں۔

کچھ دیر بعد اسلم، عبدالقادر کو لے کر گھر لوٹا۔ راستے میں اس نے عبدالقادر کو اپنا چھوٹا سا مرغی خانہ دکھایا جس میں لال لال کلغی والی سفید سفید مرغیاں پھر رہی تھیں۔ اُنھیں دیکھ کر عبدالقادر بہت خوش ہوا۔

دونوں بھائی چار پانچ دن اسلم کے ہاں ٹھہرے۔ پھر اسلم اور اس کے ابا جان سے اجازت لے کر گھر کو چلے۔ چلتے وقت عبدالقادر نے اسلم سے کہا "میں یہاں آ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ میں بھی اپنے ابا جان سے کہوں گا کہ وہ اپنے گاؤں والوں کو ساتھ ملا کر رہٹ کے بجائے ٹیوب ویل لگائیں اور ٹریکٹر خریدیں تا کہ ہماری زمینوں میں بھی زیادہ فصلیں اُگنے لگیں"۔

# صحت کا راز

نجمہ کے چچا ڈاکٹری کے طالب علم تھے اور پڑھائی کی وجہ سے ان کو ہوسٹل میں رہنا پڑتا تھا۔ وہ نجمہ کو بہت پیار کرتے تھے۔ گھر سے جب بھی خط آتا وہ اُداس ہو جاتے، اس لیے کہ جب بھی خط آتا اس میں نجمہ کی بیماری کی خبر ضرور ہوتی تھی۔ کبھی لکھا ہوتا، نجمہ کے کان میں بہت درد ہے۔ کبھی خبر آتی، نجمہ کا گلا پک رہا ہے۔ کبھی پتا چلتا کہ نجمہ کے دانت میں کیڑا لگ گیا ہے۔ ''اللہ میاں میری نجمہ کو کیا ہو گیا ہے؟ کبھی ٹھیک ہی نہیں رہتی''۔ اس کے چچا سوچتے۔

انھی دنوں چچا میاں عید کی چھٹیوں میں گھر آئے۔ آخری روزہ تھا۔ گھر میں امی نے افطاری کے لیے کئی مزیدار چیزیں بنائی ہوئی تھیں لیکن نجمہ بے چاری کچھ نہیں کھا سکتی تھی۔ اس کا گلا خراب تھا، کان میں درد تھا اور ان تکلیفوں کے سبب سے اُسے بُخار ہو رہا تھا۔

عید کے دن نجمہ کا بُخار تو اتر گیا لیکن وہ دن بھر سُست سی رہی۔ عید کے دن بھی چچا میاں یہی سوچتے رہے کہ آخر کیا وجہ ہے جو نجمہ کو اتنی بہت سی تکلیفیں ستاتی رہتی ہیں۔

دوسرے دن چچا میاں کو نجمہ کی بیماری کا راز معلوم ہو گیا۔ وہ یوں کہ صبح صبح نجمہ کی آنکھ کُھلی تو وہ بستر سے نکل کر سیدھی ناشتا کرنے آ بیٹھی۔ امّی جان چیختی رہ گئیں۔ ''نجمہ مُنہ تو دھو لو۔ دانت تو صاف کر لو۔'' مگر نجمہ کس کی سنتی تھی۔ آرام سے بیٹھ کر ناشتا کیا اور پھر یوں ہی منہ صاف کیے بغیر، اٹھ کر کھیل میں لگ گئی۔

امّی جان کہنے لگیں ''اِس لڑکی کو تو بیماری نے کچھ ایسا کر دیا ہے کہ کسی کی بات ہی نہیں مانتی۔''

چچا میاں جلدی سے بولے ''یہ بات نہیں ہے بلکہ بات نہ ماننے کی وجہ سے یہ بیمار رہتی ہے۔''

نجمہ یہ سن کر ہنس پڑی اور بولی ''چچا میاں! بات نہ ماننے کا بیماری سے کیا تعلّق؟''



چچا میاں بولے ''بہت بڑا تعلق ہے۔ نجمہ! تم امی کے بار بار کہنے کے باوجود دانت صاف نہیں کرتیں۔ دیکھو میرے پاس آؤ، میں تم کو بتاؤں کہ تمھارے گلے، کان اور دانت کے درد کی اصل وجہ کیا ہے؟''

نجمہ بھاگ کر چچا میاں کے پاس آ گئی اور بولی ''جی بتایئے کیا وجہ ہے؟''

وہ بولے ''سنو نجمہ! کھانے پینے کے بعد اگر خُوب اچھی طرح کلیاں نہ کی جائیں اور دانت صاف نہ کیے جائیں تو ہمارے منہ میں غذا کے ذرّے رہ جاتے ہیں جو رات بھر میں گل سڑ کر زہریلا مادّہ بن جاتے ہیں اور پھر اگر صبح کو دانت صاف کیے بغیر کھا پی لیں تو وہ سارا زہریلا مادّہ سانس کی نالی اور معدے میں پہنچ جاتا ہے، جس کی وجہ سے کبھی گلا



خراب ہو جاتا ہے اور کبھی پیٹ میں درد ہونے لگتا ہے۔ گلا زیادہ پک جاتا ہے تو اس کے سبب سے کان میں بھی درد شروع ہو جاتا ہے۔"

نجمہ نے پُوچھا "اور چچا میاں! دانت میں کیڑا کیسے لگ جاتا ہے؟"

چچا میاں نے کہا "وہ تو بالکل صاف بات ہے۔ جب تم کوئی میٹھی چیز کھا کر کلّی کیے بغیر پھرتی رہو گی تو کیڑوں کی دعوت کا سامان ہو جائے گا اور وہ ضرور تمھارے دانتوں میں بسیرا کریں گے۔"

نجمہ کچھ ڈری سی گئی اور بولی "اُفوہ۔ دانت صاف نہ کرنے سے اتنی بہت سی تکلیفیں اٹھانا پڑتی ہیں۔ مجھے تو معلوم ہی نہ تھا! میری توبہ ہے۔ اب میں ہر روز صُبح اٹھ کر دانت صاف کیا کروں گی۔"

چھٹیاں گزار کر چچا میاں واپس چلے گئے تو کچھ مہینے بعد ان کو نجمہ کا خط ملا جس میں لکھا تھا:

"چچا میاں! میں تو آپ کے ڈاکٹر بننے سے پہلے ہی ٹھیک ہو گئی۔ اس لیے کہ آپ کی نصیحت کے مطابق خوب صاف ستھری رہتی ہوں۔ صبح اٹھ کر اور رات کو سونے سے پہلے دانت صاف کرتی ہوں۔ میں آپ کو اپنی تصویر بھیج رہی ہوں۔ دیکھیے اب میں تندرُست رہتی ہوں۔"

چچا میاں تصویر میں اس کے مسکراتے ہوئے تندرُست چہرے کو دیکھ کر خُود بھی مُسکرا دیے۔

## مشق

1- نجمہ کو کون کون سی بیماریاں تھیں؟

2- نجمہ کی بیماری کا سبب کیا تھا؟

3- دانتوں کی صفائی کیوں ضروری ہے؟

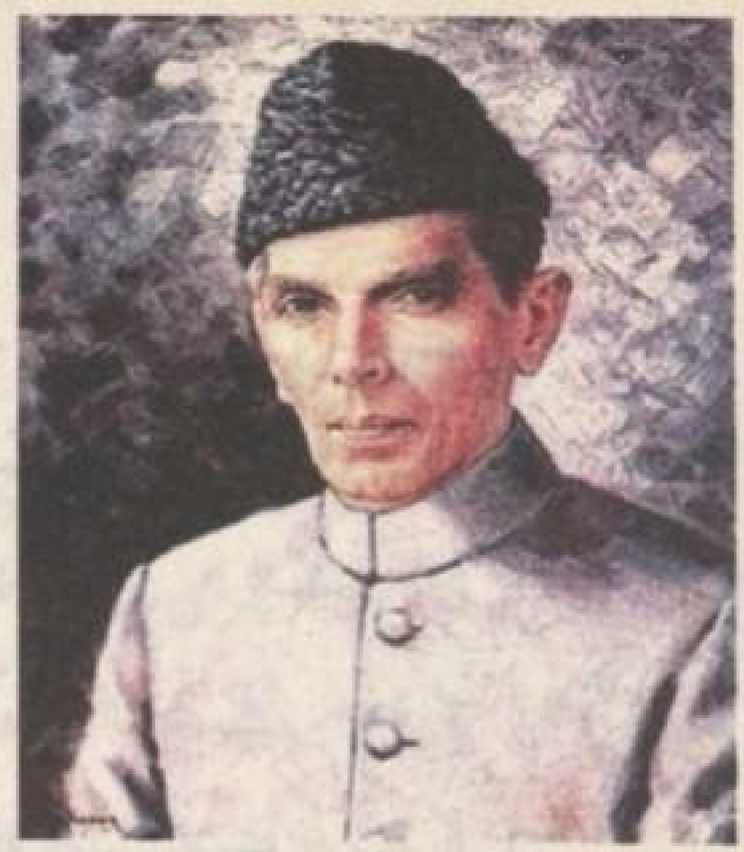
4- جسم کو صاف سُتھرا رکھنے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

5- ایک چھوٹا سا مضمون لکھ کر بتائیے کہ

"صفائی سے بڑھ کر نہیں کوئی شے"۔

6- ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے اور جُملے بنائیے:

ہوسٹل۔ اتفاق سے۔ اُداس۔ راز۔ زہریلا۔ تندرُست



# اے قائدِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ

اس پاک وطن کا تو راہ نما ہے
ہیں اور بھی رہبر! تو ان سے بڑا ہے
ان سب سے بڑا ہے
اے قائدِ اعظمؒ!
اے قائدِ اعظمؒ!

باطِل کے مُقابل کس شان سے آیا
کافر کو پچھاڑا غاصِب کو گرایا
اے مردِ مُجاہد
اللہ رے دَم خَم
اے قائدِ اعظمؒ!

تُو بات کا سچا اخلاص کا پیکر
ہمت کا دُھنی اور جاں باز، دلاور
اسلام کی خاطر
اِک کوششِ پیہم
اے قائدِ اعظمؒ!

اے دین کے خادمِ
ہم تجھ کو بھلا دیں

اے قوم کے مُحسِن
ہرگز نہیں ممکن
سب اپنے پرائے
بھرتے ہیں ترا دم
اے قائدِ اعظمؒ!

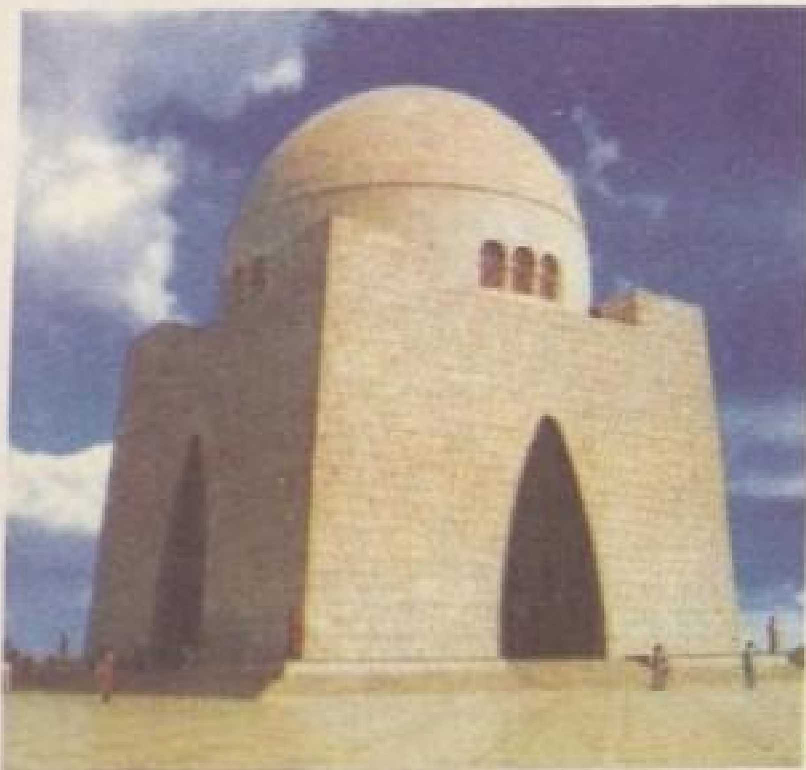
تو زندہ رہے گا
ملّت کا سِتارہ

پائندہ رہے گا
تابندہ رہے گا
رحمت کا نشاں ہے
اسلام کا پرچم
اے قائدِ اعظمؒ!

(اسحٰق جلالپوری)

## مشق

-1 یہ نظم زبانی یاد کیجیے۔
-2 اس نظم کو سمجھ کر پڑھیے اور قائدِ اعظم رحمۃُ اللہ علَیہ کی کوئی سی تین خوبیاں گنوائیے۔
-3 اپنی کاپی میں قائدِ اعظم رحمۃُ اللہ علَیہ کے متعلق کوئی اور اچھی سی نظم لکھیے۔
-4 ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے۔ راہنما۔ پچھاڑنا۔ دَم خَم۔ اخلاص۔ مُحسِن۔
-5 قائدِ اعظم رحمۃُ اللہ علَیہ نے اپنے دُشمنوں پر کس طرح فتح حاصل کی؟
-6 دُوسرے بند میں کافر اور غاصِب سے کیا مُراد ہے؟
-7 قائدِ اعظم رحمۃُ اللہ علَیہ کی تصویر البم میں لگائیے۔
-8 پاکستانی پرچم کی تصویر کاپی میں بنا کر رنگ بھریئے۔



# خاموش خدمت

کئی سو سال پہلے کی بات ہے، مدینہ منورہ کے کسی کونے میں ایک بُوھیا رہتی تھی۔ اس بیچاری کا خُدا کے سوا کوئی نہ تھا۔ بے کس تھی، غریب تھی اور اندھی بھی تھی۔ کھانے پینے کا کوئی سہارا تھا، نہ پہننے کا آسرا۔ لباس میں اُلٹے سیدھے پیوند اور چیتھڑے پر چیتھڑا سی رکھا تھا۔ گھر اگرچہ بُرا نہیں تھا مگر پھر بھی صفائی کی ضرورت تھی۔ ہر طرف گرد اور کوڑا بکھرا پڑا تھا، دیواروں پر جالے لٹک رہے تھے، دیکھنے سے گھن آتی تھی، مگر بُوھیا صبر و شکر کے ساتھ زندگی کے دن پُورے کر رہی تھی۔

ایک دن کوئی اللّٰہ کا بندہ اُدھر آنکلا۔ اس نے بُوھیا کو دیکھا۔ بے کسی کی حالت میں چارپائی پر پڑی ہوئی، کپڑے گندے، گھر بھر میں کُوڑے کے ڈھیر، نہ کوئی کھانے کی چیز، نہ پہننے کا کپڑا۔ پانی کا ایک گھڑا، وہ بھی سُوکھا ہوا۔ وہ حیران ہوا کہ اس کی طرف اب تک کسی نے توجہ کیوں نہیں کی؟ اس نے اپنے دل میں کُچھ سوچا اور پھر چلا گیا۔

اگلے روز ابھی مُنہ اندھیرا ہی تھا کہ وہ شخص آیا۔ اس نے بڑھیا کے گھر میں جھاڑو دی۔ کوڑے کے ڈھیر اٹھا کر باہر پھینکے، دیواروں کو جھاڑا، گھڑے کو دھو کر اس میں تازہ پانی بھرا، بُڑھیا کا منہ ہاتھ دُھلایا، روٹی اس کے آگے رکھی، عصا اُس کی چارپائی کے پائے کے ساتھ لگا دیا اور چلا گیا۔

اب تو وہ شخص بلا ناغہ آتا، بُڑھیا کے گھر کو جھاڑتا پُونچھتا، پانی بھرتا اور کھانا دے کر چلا جاتا۔ بُڑھیا خُدا کا شکر کرتی اور اس نیک بندے کو دعائیں دیتی۔ اس طرح ایک مُدت گزر گئی۔ نہ بُڑھیا نے اس شخص سے کبھی اس کا اتا پتا دریافت کیا، نہ اس شخص ہی نے بُڑھیا سے کوئی بات کی۔ بُڑھیا کو اب اپنی بے کسی کا خیال تک نہ رہا تھا۔ وہ سمجھتی تھی کہ خدا نے اس شخص کے دل میں رحم ڈالا ہے اور اسے میری خدمت کے لیے بھیجا ہے۔ وہ پیٹ بھر کر روٹی کھاتی، تازہ پانی پیتی اور نماز پڑھ کر خوش ہوتی اور اسے دعائیں دیتی تھی۔

ایک دن حضرت عمرؓ کا اُدھر سے گزر ہوا۔ اندھی بڑھیا کو دیکھ کر اس کے پاس آئے۔ حال پوچھنے پر معلوم ہوا کہ بڑھیا گھر میں اکیلی رہتی ہے۔ پھر بھی گھر صاف ستھرا ہے۔ گھڑا پانی سے بھرا ہُوا ہے۔ حیران ہوئے اور بڑھیا سے پُوچھا "بڑی بی! آپ تو اکیلی ہیں، بوڑھی ہیں، نابینا ہیں، پھر کون شخص آپ کے لیے جھاڑو دیتا ہے، کون پانی بھرتا اور روٹی لا کر دیتا ہے؟"

بڑھیا نے کہا "میں نہیں جانتی، بس اتنا معلوم ہے کہ ایک شخص مُنہ اندھیرے آتا ہے، گھر میں جھاڑو دیتا ہے، گھڑے میں تازہ پانی بھرتا ہے، روٹی سالن اپنے گھر سے لا کر میرے پاس رکھ دیتا ہے اور چلا جاتا ہے۔"

حضرت عمرؓ نے پُوچھا "وہ نیک آدمی کون ہے؟" بُڑھیا نے جواب دیا، "آنکھیں ہوتیں تو دیکھ لیتی، نہ اس شخص نے کبھی کچھ بتایا نہ مَیں نے کوئی بات پوچھی۔ خدا اسے اس بے لوث خدمت کا اجر دے۔"

اگلی رات کا تیسرا پہر تھا کہ حضرت عمرؓ بستر سے اُٹھے، وضو کیا، تہجد پڑھی اور اس بُڑھیا کے گھر کی طرف چل دیے۔ وہاں پہنچے تو ایک جگہ چُھپ کر بیٹھ گئے۔ ابھی تک بُڑھیا کی خدمت کرنے والا شخص نہیں پہنچا تھا۔

حضرت عمرؓ بیٹھے دیکھتے رہے۔ آخر وہ شخص آیا۔ اس نے اپنے معمول کے مطابق پہلے گھر میں جھاڑو دی، پھر پانی بھرا، کھانا بُڑھیا کی چارپائی پر رکھا اور عصا صاف کر کے پائے کے ساتھ رکھ دیا۔ پھر جس خاموشی سے آیا تھا، اسی خاموشی سے واپس چلا گیا۔

حضرت عمرؓ نے غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے، جو امیر المومنین اور خلیفۂ رسول اللہ تھے اور ہر وقت خِدمتِ خلق کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔

حضرت عمرؓ نے یہ دیکھ کر آہ بھری اور کہا "مَیں نیکی میں ابوبکر صدیقؓ سے کبھی نہیں بڑھ سکوں گا۔ دُنیا بھر کی نیکیاں شاید انھی کی قسمت میں لکھی ہیں۔ خُدا اُنھیں جزائے خیر دے"۔

## مشق

-1 خاموش خدمت کسے کہتے ہیں؟

-2 بڑھیا کی خدمت کون کرتا تھا؟

-3 حضرت عمر رضی اللہ عنہ چھپ کر کیا دیکھنا چاہتے تھے؟

-4 آپ دوسروں کی خدمت کس طرح کر سکتے ہیں؟

-5 ان الفاظ کے معنی لکھیے:

بے کس۔ گھِن۔ بلاناغہ۔ اتاپتا۔ اطمینان۔

حُلیہ۔ عصا۔ کمربستہ۔ جزائے خیر

-6 ان پر اعراب لگایئے۔ تہجد۔ وضو۔ صدیق۔ مطابق

-7 اس سبق سے پانچ اسم الگ کیجیے۔

# اچھّا سپاہی

سردی کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ سکولوں میں چھٹی کے گھنٹے ٹن ٹن کر کے بجنے لگے تو سڑکوں پر بھی جیسے قیامت آ گئی۔ ہر طرف پُوں پُوں کرتی گاڑیاں، پھٹ پھٹ دھڑ دھڑ کرتے سکوٹر چاروں طرف دوڑنے لپکنے لگے۔ ایسے میں ان بچوں کو راستا چلنا مُشکل ہو گیا جو پیدل سکول آتے جاتے ہیں۔

چوٹیوں میں لال ربن باندھے، بستہ گلے میں ڈالے ننھی منی سیما سڑک پار کرنے ہی کو تھی کہ زن سے ایک موٹر اس کے اتنے قریب آ گئی جیسے کُچل ہی ڈالے گی۔ سیما کو چکر سا آ گیا۔ مارے خوف کے اس نے آنکھیں میچ لیں۔ ابھی اس کے منہ سے چیخ بھی نکلنے نہ پائی تھی کہ دو مضبوط ہاتھوں نے سیما کو یوں اٹھالیا جیسے وہ کوئی ننھی سی گڑیا ہو اور پھر اسے ایک طرف کھڑا کر دیا۔

سیما کے اوسان بجا ہوئے تو اس نے دیکھا کہ ایک لمبا تڑنگا شخص پولیس کی وردی میں بڑی نرمی اور ہمدردی سے پُوچھ رہا تھا ''کہیں چوٹ تو نہیں آئی ؟ راستا دیکھ کر چلا کرو بیٹی۔''

سیما نے جواب دیا۔ ''شکریہ جناب! چوٹ نہیں آئی۔'' اچانک ہی سیما کو خیال آیا کہ اگر چوٹ لگ جاتی تو کیا ہوتا؟ شاید گاڑی مجھے کچل ہی دیتی۔ یہ سوچ کر اس کو رونا آ گیا اور وہ پُھوٹ پُھوٹ کر رونے لگی۔

''ارے، تم تو رونے لگیں۔ چوٹ نہیں لگی تو پھر کاہے کو روتی ہو چھوٹی گُڑیا؟''

سیما نے روتے روتے جواب دیا ''اور جو مَیں گاڑی کے نیچے کُچل کر مر جاتی تو میری امّی کو کتنا غم ہوتا!''

سپاہی ہنسنے لگا اور بولا: ''توبہ کرو! چھوٹی گُڑیا، بھلا اچھے سپاہی کی موجودگی میں کوئی گاڑی کسی بچے کو کیسے کُچل سکتی ہے؟''



سیما نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور سپاہی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے بولی ''میری امّی کہتی ہیں، مہربان فرشتے بچوں کو مصیبت سے اور خطروں سے بچاتے ہیں۔ تو کیا اچھا سپاہی کوئی مہربان فرشتہ ہوتا ہے؟''

سپاہی اس کی بات سُن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا ''نہیں فرشتہ کیوں ہوتا، سپاہی تو بس انسان ہوتا ہے جو اپنا فرض پورا کرتا ہے۔''

سیما نے پُوچھا ''کیا سپاہی کا کام بچوں کو بچانا ہے؟'' سپاہی نے جواب دیا۔ ''ہاں! بچوں کو بچانا، بستیوں اور شہروں میں امن وامان رکھنا اور اس بات کا خیال رکھنا کہ کہیں کوئی شخص قانون کے خلاف کام تو نہیں کر رہا ہے، کوئی کسی پر ظلم تو نہیں کر رہا ہے، اچھا سپاہی یہ سب کام کرتا ہے۔ چوروں، ڈاکوؤں کو پکڑنا اور یہ پتا لگانا کہ جُرم کہاں ہو رہے ہیں، سپاہی کی ذمہ داری ہے۔ پولیس مجرموں کا کھوج لگاتی ہے۔''

یہ سُن کر سیما بولی ''اچھے سپاہی کون سے ہوتے ہیں؟''

سپاہی نے کہا ''چھوٹی گڑیا! ہر وہ سپاہی جو اپنا فرض ادا کرتا ہے، اچھا سپاہی ہوتا ہے، اب تم جلدی سے گھر جاؤ، تمھاری امّی انتظار کرتی ہوں گی۔'' سیما نے سپاہی کو سلام کیا اور اپنے گھر کی طرف چل دی۔

## مشق

1- سیما کو کس نے بچایا؟

2- سیما رونے کیوں لگی تھی؟

3- اچھے سپاہی کے فرائض بیان کیجیے۔

4- سڑک پر چلنے کے اُصول کیا ہیں؟ (اپنے استاد سے پوچھ کر کاپی میں لکھیے)۔

5- ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنایئے: -

اوسان۔ خوف۔ ہمدردی۔ مہربان۔ فرشتہ۔ امن وامان

6- ہر خانے سے ایک ایک لفظ لے کر صحیح جملے بنائیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| حامد | | کتاب | پڑھا |
| نادرہ | | رسالے | پڑھے |
| سکینہ | نے | خبریں | پڑھی |
| خالد | | خط | پڑھیں |

# جب جانیں تم بتادو

حیواں ہے وہ نہ انساں جن ہے نہ وہ پَری ہے
سینے میں اُس کے ہر دم اک آگ سی بھری ہے

........................

کھا پی کے آگ پانی چنگھاڑ مارتی ہے
سر سے دھوئیں اُڑا کر غصّہ اُتارتی ہے

........................

وہ گھورتی گرجتی بھرتی ہے اک سپاٹا
ہفتوں کی منزلوں کو گھنٹوں میں اس نے کاٹا

........................

آتی ہے شور کرتی جاتی ہے غُل مچاتی
وہ اپنے خادموں کو ہے دُور سے جگاتی

........................

ہر آن ہے سفر میں
کم ہے قیام کرتی
رہتی نہیں مُعطل
پھرتی ہے کام کرتی

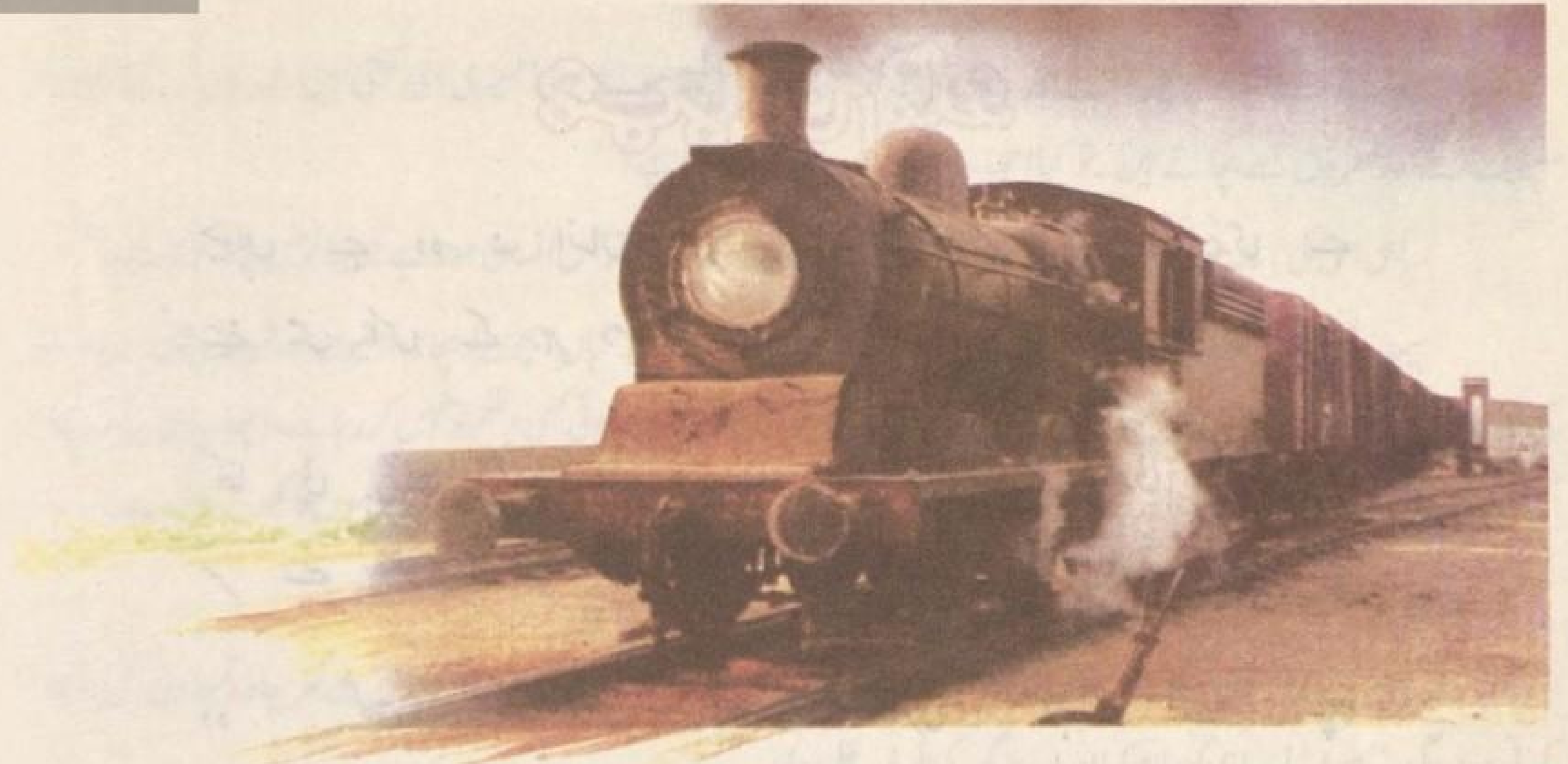
........................

ہر چیز سے نرالی ہے چال ڈھال اس کی
پاؤ گے صنعتوں میں کم ہی مثال اس کی

........................

ہم کہہ چکے ہیں سب کچھ
جو بھی ہے کام اس کا
جب جانیں تُم بتا دو
بِن سوچے نام اس کا

........................



جی ہاں سمجھ گیا مَیں      پہلے ہی مَیں نے تاڑی
وہ دیکھو سامنے سے      آتی ہے ریل گاڑی

(اسماعیل میرٹھی)

## مشق

1- اس نظم میں ریل گاڑی کے متعلق جو باتیں بتائی گئی ہیں، انھیں اپنے لفظوں میں بیان کیجیے۔

2- یہ نظم اسمٰعیل میرٹھی کی ہے۔ ''کُلیاتِ اسمٰعیل'' میں بچوں کے لیے بہت سی نظمیں ہیں۔
لائبریری سے کتاب لے کر یہ نظمیں پڑھیے۔ جو نظم آپ کو پسند آئے وہ اپنی کاپی میں لکھ لیجیے۔

3- دو اچھی سی پہیلیاں یاد کر کے اپنے ہم جماعتوں سے پُوچھیے۔

4- ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے۔ چنگھاڑنا۔ خادم۔ قیام۔ چال ڈھال۔ صنعت۔

5- ان لفظوں پر غور کیجیے اور بتائیے کہ خانہ نمبر 1 اور خانہ نمبر 2 کے لفظوں میں کیا تعلق ہے۔

| | |
|---|---|
| گھنٹوں | گھنٹا |
| منزلوں | منزل |
| ہفتوں | ہفتہ |
| صنعتوں | صنعت |

# چھوٹی لڑکی کی بڑا کام

رات خاصی خنک تھی۔ مکے کے گلی کوچوں میں کچھ زیادہ ہی سناٹا تھا۔ مکے کے تمام گھروں میں بچے آرام سے میٹھی نیند سوئے ہوئے تھے، لیکن اسی شہر میں ایک گھر ایسا بھی تھا جہاں ایک بارہ سالہ بچی بڑی خاموشی سے ایک ناشتے دان میں کھانے کا سامان رکھنے میں مشغول تھی۔ یہ کھانا تیار بھی اسی بچی نے کیا تھا۔ یہ کام وہ بڑی پُھرتی اور رازداری سے انجام دے رہی تھی۔ دبے پاؤں چلتے چلتے وہ ڈر کر ادھر اُدھر دیکھنے لگتی۔ ایسا نہ ہو، کسی کو پتا چل جائے۔ گھر میں سبھی لوگ تو موجود تھے۔ بھائی، بہن اور بوڑھے نابینا دادا جان بھی، جو ذرا سی آہٹ پر چونک کر پوچھنے لگتے تھے۔ "کون ہے؟ کیا ہے؟" ایسے میں کسی بات کو چھپانا کتنا مشکل ہو جاتا ہے، وہ سوچنے لگی۔ "لیکن خیر، میں اس راز کو اُس وقت تک اپنے سینے میں چُھپا کر رکھوں گی جب تک اس کو چھپانا ضروری ہوگا۔"

یہ بارہ سالہ بچی اُسماء بنتِ ابُوبکرؓ تھی جس کو قدرت نے اس روز تاریخ کے ایک عظیم اور اہم راز میں شریک کیا تھا۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھی اور اس کا دل خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ وہ اپنی قسمت پر ناز کر رہی تھی کہ آج اسے اس شخص کی خدمت کی سعادت ملی ہے جو سب سے معزز اور سب سے نیک انسان ہے۔ جس کو دوست تو دوست، دُشمن بھی صادِق اور امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ وہ یہ کام اپنے بابا کے آقا اور پیارے دوست، خُدا کے سچے اور آخری نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خاطر انجام دے رہی تھی۔

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا نام اسماء کے نزدیک بہت معزز اور پیارا تھا۔ اس نام کو لیتے وقت اسماء کے بابا حضرت ابُوبکر صدیقؓ ہمیشہ کہتے تھے: "میری اور میرے ماں باپ کی جان آپؐ پر قربان"۔

آج بابا ہی نے تو اس کو نہایت رازداری سے بتایا تھا کہ اسماء! تم کو یہ معلوم ہے کہ مکے کے کافر میرے آقاؐ کے قتل پر آمادہ ہیں، اس لیے آج آدھی رات کے وقت ہمارے آقاؐ خدا کے حکم سے اپنا گھر اور وطن چھوڑ رہے ہیں۔ آپؐ مکے سے نکل کر غارِ ثور میں رہیں گے۔ پھر کسی مناسب موقع پر مدینے چلے جائیں گے۔ میں بھی اپنے آقاؐ کے ہمراہ جا رہا ہوں۔ پھر بابا نے پوچھا تھا: "بیٹی کیا تم اپنے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت کرنا چاہتی ہو"؟ اسماء نے جلدی سے جواب دیا! "کیوں نہیں، میں ضرور کروں گی۔"

تب اس کے بابا نے کہا تھا "تو پھر اس وقت تم خاموشی سے توشہ دان میں کھانا رکھ کر باندھ دو اور جب تک ہم لوگ غار میں رہیں، تم ہر روز شام کو آ کر تازہ کھانا پہنچاتی رہنا۔ لیکن وعدہ کرو کہ یہ بات کسی پر ظاہر نہ کروگی۔ اسماء! یاد رکھنا مکے کے کافر شکاریوں کی طرح میرے اور تمھارے آقا، اللہ کے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو تلاش کریں گے۔ اس لیے یہ کام بہت احتیاط اور ہوشیاری سے کرنا ہوگا۔"

اسماء نے وعدہ کر لیا اور پوری رازداری سے کھانا تیار کر کے توشہ دان میں رکھا۔ اس کو باندھنے کے لیے رسی کی ضرورت تھی۔ مگر اس وقت رسی کہاں تلاش کی جائے؟ اسماء نے سوچا، اور پھر دوسرے ہی لمحے ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آ گئی۔ جلدی سے اس نے اپنے

کُرتے کی پٹی کھولی، اس کو پھاڑ کر دو حصے کیے اس سے توشہ دان کو اچھی طرح باندھا اور غار میں پہنچا دیا۔

تمام رات مکّے کے کافر خُدا کے آخری اور سچے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو تلاش کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسرے دن انھوں نے شہر کی ناکابندی کر دی۔ ان کے کھوجی اور جاسُوس ہر آتے جاتے پر نظر رکھ رہے تھے۔

یہ ننھی اسماء کی بہادُری اور ہوشیاری ہی تو تھی کہ تین دن تک وہ اسی طرح کھانا تیار کرتی، شام کے دھندلکے میں دشمنوں کی نظروں سے بچتی بچاتی، غارِ ثُور پر جا کر وہ کھانا اس پیارے اور عظیم انسان کی خدمت میں پیش کرتی رہی جس کے نام کا کلمہ وہ ہر صبح اٹھ کر پڑھتی تھی۔

ننھی اسماء کو تو صرف یہ خوشی تھی کہ اس کے بابا نے جو مقدس فرض اس کے ذمے کیا تھا، اس کو اس نے پوری رازداری اور ذمہ داری سے پُورا کیا۔ لیکن شاید اسے یہ خبر نہ تھی کہ اس نے تاریخ میں اپنا نام سُنہری حُروف میں لکھوالیا ہے۔

## مشق

1- ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم مکّے سے کہاں تشریف لے گئے تھے؟

2- کھوجیوں اور جاسُوسوں کا کیا کام ہے؟

3- اسماءؓ بنت ابُوبکرؓ نے اسلام کی کیا خِدمت انجام دی؟ اپنی کاپی میں مختصر طور پر لکھیے۔

4- وہ کون سا راز تھا جسے چھپائے رکھنے کا وعدہ اسماء نے کیا تھا؟

5- سب سے معزز شخص کون تھا؟

6- مندرجہ ذیل الفاظ کے معنی لکھیے:-

معزّز رازداری۔ پھرتی۔ صادق۔ امین۔ ناز۔ عظیم۔ دلیر۔ لَقب۔

7- اپنی ڈرائینگ کی کاپی میں پہاڑ بنا کر مناسب رنگ بھریے۔

8- مندرجہ ذیل الفاظ کو حروف ہجا کی ترتیب سے لکھیے۔

رات۔ سامان۔ مصروف۔ وطن۔ تلاش۔

# سچّی باتیں

☆...... اللہ ان کو دوست رکھتا ہے جو دُوسروں پر رحم کرتے ہیں، احسان کرتے ہیں اور ان کی بھلائی چاہتے ہیں۔ (القرآن)

☆...... اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ (الحدیث)

☆...... عقل مند وہ ہے جو دوسروں کی نصیحتیں سنتا ہے۔ (حضرت سلیمانؑ)

☆...... اگر تم لوگوں کے قصور معاف کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھارے قصور معاف کرے گا۔ (حضرت ادریسؑ)

☆...... تین چیزیں محبت بڑھانے کا ذریعہ ہیں۔

i- سلام کرنا۔

ii- دوسروں کے لیے مجلس میں جگہ خالی کرنا۔

iii- مخاطب کو بہترین نام سے پکارنا۔ (حضرت عُمر فاروقؓ)

☆...... خاموشی غصے کا بہترین علاج ہے۔ (حضرت عثمان غنیؓ)

☆...... کسی پر احسان کرو تو اس کو چھپاؤ اور اگر تم پر کوئی احسان کرے تو اسے ظاہر کرو۔ (حضرت علیؓ)

☆...... نیکی کرنے میں دیر نہ کرو اور بدلہ لینے میں جلدی نہ کرو۔ (حضرت شفیق بلخیؒ)

☆...... دانا بولنے سے پہلے سوچتا ہے اور بے وقوف بولنے کے بعد سوچتا ہے۔ (حضرت حسن بصریؒ)

☆...... بیمار کی تیمارداری اور نادار کی مدد لازم ہے۔ (امام ابوسفیان ثوریؒ)

☆...... اگر کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو تو مسلسل محنت کرتے رہو۔ (مولانا جلال الدین رومیؒ)

☆...... اچھا دوست وہ ہے جو مصیبت میں کام آئے۔ (شیخ سعدیؒ)

☆...... کفایت شعاری ایک قومی فریضہ ہے۔ (قائدِ اعظمؒ)

☆...... علم تلوار سے بھی زیادہ طاقتور ہے اس لیے علم کو اپنے ملک میں بڑھائیں۔ (قائداعظمؒ)

☆...... ہمیں نا امید، مایوس اور پست ہمت نہیں ہونا چاہیے۔ (قائداعظمؒ)

☆...... قرآن کریم کا صرف مطالعہ ہی نہ کیا کرو، بلکہ اس کو سمجھنے کی کوشش بھی کرو۔ (علامہ اقبالؒ)



# ہلالِ احمر

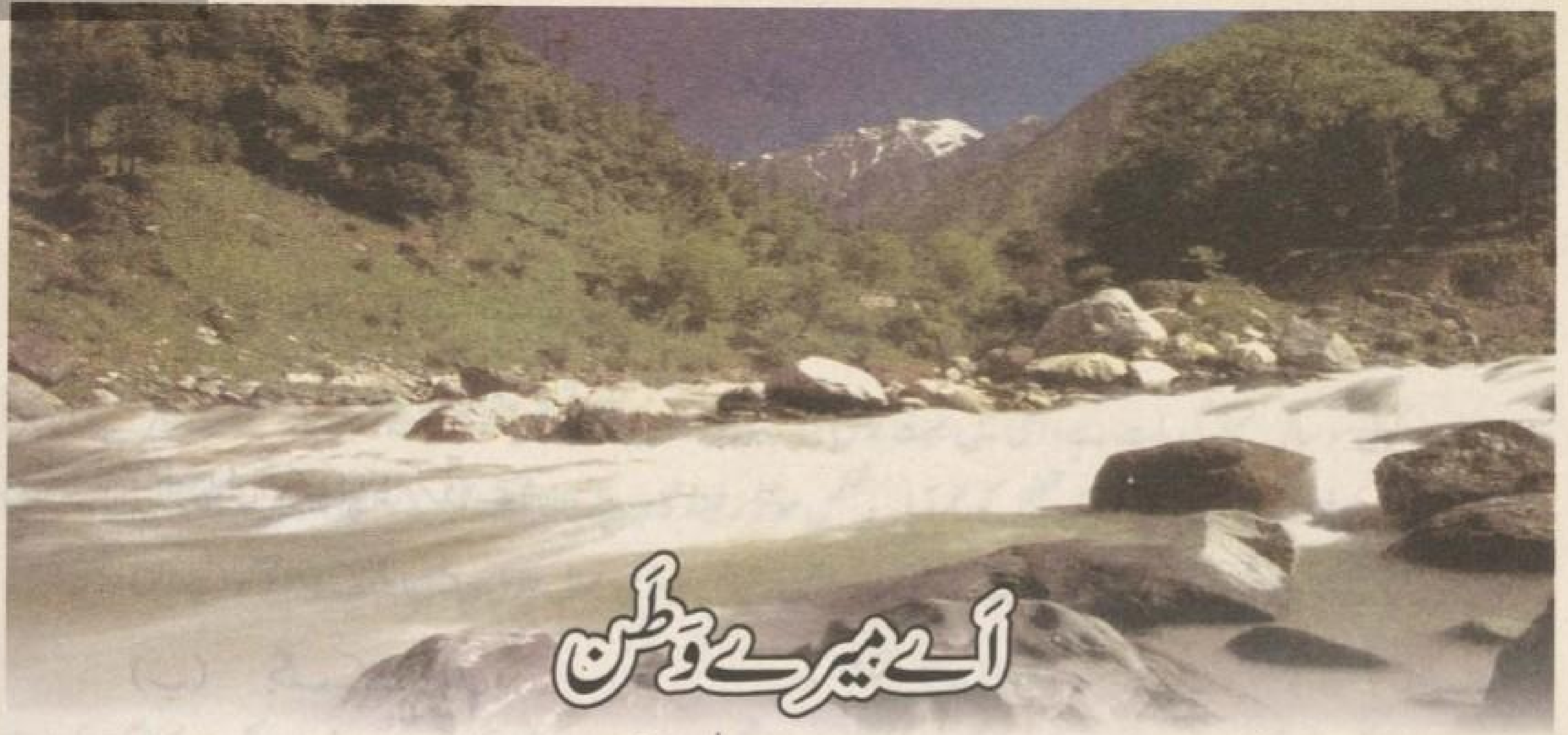
کوئی سو سال پہلے کی بات ہے، اٹلی میں بہت بڑی جنگ ہوئی۔ اس جنگ میں بہت سے آدمی مارے گئے اور بے شمار زخمی ہوئے۔ زخمیوں کی خراب حالت دیکھ کر ایک شخص کو رحم آیا۔ یہ شخص سوئٹزرلینڈ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ان زخمیوں کے متعلق ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب میں اس نے تجویز پیش کی کہ جنگ کے دوران میں زخمیوں کی دیکھ بھال ہونی چاہیے۔ اس کام کے لیے ایک انجمن ایسے لوگوں کی بنائی جائے جو انسانوں کی خدمت کر کے خوش ہوتے ہوں۔

اس تجویز کو لوگوں نے پسند کیا اور ایک انجمن بنائی گئی۔ اس انجمن نے بہت اچھا کام کیا۔ جب دوسرے ملکوں کے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے بھی اسی طرح کی انجمنیں بنالیں۔ زیادہ مدت نہ گزری تھی کہ ایک ایسی انجمن بنائی گئی جس کا تعلق دُنیا کے سارے ملکوں سے تھا۔ اس کا نام عالمی ریڈ کراس سوسائٹی رکھا گیا۔

عالمی ریڈ کراس سوسائٹی کا نشان ایک سفید کپڑا ہے جس کے درمیان میں سُرخ کراس ( + ) کا نشان بنا ہوا ہے۔ دُنیا کی قوموں نے مل کر یہ فیصلہ کیا کہ جنگ کے دوران میں جہاں یہ جھنڈا لہرا رہا ہو، وہاں حملہ نہیں کیا جائے گا اور جن لوگوں کے پاس ریڈ کراس کا نشان ہو گا، انھیں زخمی سپاہیوں کے پاس جانے اور ان کی دیکھ بھال کرنے کی عام اجازت ہو گی۔

جب لوگوں کو ریڈ کراس سوسائٹی کے کاموں کا فائدہ معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے اپنے ملک میں اس کی شاخیں قائم کر لیں۔ ہمارے مُلک پاکستان میں بھی یہ سوسائٹی موجود ہے۔ پہلے اس کا نام پاکستان ریڈ کراس سوسائٹی تھا لیکن پاکستان چونکہ اسلامی ملک ہے اور پاکستان کا قومی نشان ہلال ہے اس لیے 1974ء میں اس کا نام انجمن ہلالِ اَحمر رکھ دیا گیا۔ ہلالِ اَحمر کے معنی ہیں سُرخ چاند۔ اب اس انجمن کے جھنڈے پر سُرخ صلیب کی جگہ سُرخ چاند کا نشان بنا ہوتا ہے۔ زیادہ تر اسلامی ملکوں میں اس انجمن کا نام ہلالِ اَحمر ہی ہے۔ انجمن ہلالِ احمر جنگ کے دنوں میں زخمیوں کی جان بچانے اور ان کا علاج کرنے کا کام کرتی ہے اور جنگی قیدیوں کا خیال رکھتی ہے۔ صلح کے زمانے میں بھی یہ انجمن بہت مفید کام کرتی رہتی ہے۔ بیماروں کی تیمارداری، چُھوت کی بیماریوں کی روک تھام، سیلاب اور زلزلے اور کسی حادثے سے متاثر ہونے والے لوگوں کی مدد اس انجمن کے کام ہیں۔ اس انجمن والے دُنیا میں جہاں کہیں انسانی جان کو خطرے میں دیکھتے ہیں، فوراً مدد کو پہنچتے ہیں۔ ان لوگوں کا ایمان ہے کہ دُنیا کے تمام انسان ایک ہی جسم کے حصے ہیں۔ اگر جسم کا ایک حصہ تکلیف میں ہو تو دوسرے حصے اسے محسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔

انجمن ہلالِ احمر کے کاموں میں ہر آدمی حصہ لے سکتا ہے۔ مدرسے کے بچے اپنی انجمن قائم کر کے اپنے ساتھیوں اور محلے والوں کی خدمت کر سکتے ہیں۔ اس خدمت سے اللّٰہ بھی خوش ہوتا ہے اور اللّٰہ کے بندے بھی۔



# اے میرے وطن

اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے
تو بسے، تو بڑھے، تو پھلے، اے وطن
اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

کیسی خوش حال ہیں تیری آبادیاں
کیسی سر سبز و شاداب ہیں وادیاں
ہوں مبارک تجھے تیری آزادیاں
اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

تیری مٹی جواں، تیرے دریا رَواں
تیرے کُہسار ہیں عظمتوں کے نشاں
تجھ پہ قُربان ہے میرا دل، میری جاں
اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

تو ہے عالی نشاں تیرا پرچم حسیں
چاند تارے سے روشن ہے تیری جبیں
میرے پیارے وطن، تجھ سا کوئی نہیں
اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

تیرے فرزند دھرتی کے دَمساز ہیں
تیرے مزدُور محنت کے ہمراز ہیں
تیرے پیر و جواں باعثِ ناز ہیں



اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے
تیرا قانون و دستور قرآن ہے
تجھ پہ دل سے فدا ہر مسلمان ہے
تو مرا دین ہے میرا ایمان ہے
اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے
تیری عظمت کا جھنڈا اٹھائیں گے ہم
تیری تقدیس کے گیت گائیں گے ہم
تیری خاطر دل و جاں لٹائیں گے ہم
اے وطن تو ہمیشہ ہمیشہ رہے

(اسحق جلالپوری)

## مشق

-1 اس نظم کو زبانی یاد کیجیے اور گا کر پڑھیے۔

-2 بچوں کے کسی رسالے سے پاکستان کے متعلق ایک اچھی سی نظم اپنی کاپی میں خوشخط لکھیے۔

-3 پاکستان پر چھوٹا سا مضمون لکھیے۔

-4 ان الفاظ کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے۔

شاداب۔رواں۔کوہسار۔جبیں۔تقدیس۔

-5 ان کے معنی اچھی طرح سمجھیے۔

-1 تجھ پہ قرباں ہے میرا دل میری جاں　　-2 تیرا قانون و دستور قرآن ہے

-3 تو مرا دین ہے میرا ایمان ہے　　-4 تیری خاطر دل وجاں لٹائیں گے ہم

# میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ

ایک دن ایک شکاری جنگل میں آنکلا اور ایک گھنے درخت کے نیچے بیٹھ گیا۔ ایک باز بھی کہیں سے اُڑتا ہوا آیا۔ وہ بھوکا تھا اور شکار کی تلاش میں تھا، وہ بھی اسی درخت پر بیٹھ گیا۔ ایک فاختہ بھی اسی درخت کی ایک ٹہنی پر بیٹھی تھی۔ اس نے جب اپنے دونوں دشمنوں کو دیکھا تو دل میں کہنے لگی۔ ''آج تو میں موت کے ہاتھوں سے بچ نہیں سکتی۔'' اتنے میں شکاری نے تیر اپنی کمان میں رکھا اور فاختہ کو مارنے کے لیے نشانہ باندھا۔ ادھر باز بھی اس انتظار میں تھا کہ فاختہ اُڑے تو اسے اپنے پنجوں میں دبوچ لے۔

فاختہ یہ حال دیکھ کر سخت فکر مند ہوئی اور کہنے لگی۔ ''اے خُدا! آج تو میرا بچنا محال ہے۔ اگر اسی جگہ بیٹھی رہوں گی تو شکاری مجھے تیر سے ہلاک کر دے گا، اُڑوں گی تو باز پکڑ لے گا۔ میرے لیے تو ہر طرف موت ہی موت ہے''۔ تیر چلنے میں کچھ دیر نہ تھی، کوئی تدبیر کام نہیں کر سکتی تھی لیکن خُدا کی قدرت دیکھو کہ جب وہ کسی کو بچانا چاہے تو کیا کیا سبب بناتا ہے! شکاری اپنا نشانہ درُست کر کے تیر چھوڑنا ہی چاہتا تھا کہ ایک کالے سانپ نے اُسے ڈس لیا۔ گھبراہٹ میں نشانہ غلط ہو گیا اور تیر سیدھا باز کے جا لگا۔ دونوں دشمن وہیں ڈھیر ہو گئے۔ فاختہ اسی جگہ صحیح سلامت بیٹھی رہی اور جو اسے مارنے آئے تھے، وہ خُود موت کا شکار ہو گئے۔

یہ کہانی پنجابی کے ایک مشہُور شاعر میاں مُحمد نے اپنی کتاب میں لکھی ہے۔ ان کا پُورا نام میاں محمد بخشؒ تھا۔ وہ 1826ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے بڑے شوق اور محنت سے علم حاصل کیا۔ پھر کئی سال تک کشمیر کے جنگلوں میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے رہے۔ ان کو بچپن ہی سے شعر کہنے کا شوق تھا۔ کسی کو خط لکھنا ہوتا تو شعروں ہی میں لکھتے۔ اُن کی آواز بہت سُریلی تھی اس لیے وہ لوگوں کو اپنی نظمیں سُناتے تو سننے والے جھومنے لگتے۔

وہ بہت سادہ طبیعت کے تھے۔ دل میں کسی قسم کا لالچ نہ تھا۔ ایک بار کشمیر کا راجا اُن سے ملنے آیا اور اُس نے بہت سا مال ان کو دینا چاہا اُنھوں نے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اس نے ادب سے کہا کہ آپ مجھے کوئی اور خدمت بتائیں۔ انھوں نے فرمایا: ''تم ادھر نہ آیا کرو، ہمارے لوگ بہت غریب ہیں۔ تمھارے آنے سے انھیں تکلیف ہوتی ہے''۔

میاں محمد بخشؒ کا مزار کھڑی شریف میں ہے جو جہلم شہر سے چند کلومیٹر شمال کی طرف ہے۔ ہر سال ان کے عرس میں ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔

میاں محمد بخشؒ نے پنجابی میں بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ان کی سب سے مشہور کتاب ''سیف الملوک'' ہے۔ پنجاب کے لوگ اس کتاب کو بڑے شوق سے پڑھتے اور گاتے ہیں۔ اس کتاب میں انھوں نے ایک کہانی بیان کی ہے لیکن ساتھ ساتھ بہت اچھی اچھی نصیحتیں بھی کی ہیں۔ وہ علم، عقل اور بہادری کی بہت تعریف کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ خدا نے علم حاصل کرنا فرض کیا ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ علم حاصل کرے ورنہ وہ حیوانوں کی طرح رہے گا۔ جس طرح سُورج روشنی پھیلاتا ہے، اسی طرح علم بھی روشنی پیدا کرتا ہے جس سے جہالت کی تاریکی دُور ہو جاتی ہے۔

میاں صاحب ہمیں نصیحت کرتے ہیں کہ ہمّت کرنے سے قسمت بدل جاتی ہے اس لیے ہمت نہ ہارو۔ وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اچھا دوست وہ ہے جو مصیبت میں کام آئے۔ اگر کوئی دوست مصیبت میں اپنے ساتھی کی مدد نہیں کرتا تو ہم اکیلے ہی بہتر ہیں۔

دُنیا تے جو کم نہ آیا اَوکھے سَوکھے ویلے
اس بے فَیضے سنگی کولوں بہتر یار اَکیلے

## مشق

-1 اس سبق سے مشکل الفاظ چُن کر لکھیے اور ان کے معنی لُغت سے دیکھ کر لکھیے۔

-2 اس کہانی میں سے نصیحت کی باتیں زبانی یاد کیجیے۔

-3 ''فاختہ کی کہانی، فاختہ کی زبانی'' لکھیے اس طرح شروع کیجیے۔

''ایک دن مَیں درخت پر بیٹھی تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک شکاری............''

-4 آخری شعر پر غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اُردو اور پنجابی ایک دوسری سے ملتی جلتی زبانیں ہیں، اور ان میں بہت تھوڑا فرق ہے۔ مثلاً سبق کے آخر میں جو شعر درج ہے اس کا مطلب اردو میں یہ ہے:

دُنیا میں جو دکھ سکھ کے وقت کام نہ آیا، اس بے فیض ساتھی سے یار اکیلے بہتر ہیں۔

# بہادُر کسان

سویرے اندھیرے اُٹھا
لیے بیل کھیتوں کی جانب چلا

ہے سارا زمانہ ابھی سو رہا
مگر اس کو یہ وقت ہے کام کا
اِسے ہر گھڑی کام ہی کا ہے دھیان
بڑا محنتی ہے بہادُر کسان

کبھی بیل کا دل بڑھاتا ہُوا
کبھی موڑتا اور ہنکاتا ہُوا

کبھی ہل کی ہتھی دباتا ہوا
یہ چلتا ہے جب ہل چلاتا ہوا
کوئی دیکھے تو اس گھڑی اس کی شان
بڑا محنتی ہے بہادُر کسان

کڑی دُھوپ چاروں طرف چھا گئی
ہوا جس کی گرمی سے تھرا گئی

یہ بیلوں کی جوڑی جو گھبرا گئی
تو اس کی جگہ دوسری آ گئی
اکیلا کھڑا ہے مگر سخت جان
بڑا محنتی ہے بہادُر کسان



ہے دُنیا کی جنت فقط اس کے پاس
یہ محنت سے کرتا ہے سب کام راس
یہ ترکاریاں ، یہ اناج اور کپاس
پھلوں کا مزا اور پھولوں کی باس
اسی سے تو لیتا ہے سارا جہان
بڑا محنتی ہے بہادُر کسان

(حفیظؒ جالندھری)

## مشق

-1 کسان کس وقت کام کرنے کو جاتا ہے؟

-2 دُھوپ میں کسان کس طرح کام کرتا ہے؟

-3 کسان کون کون سی چیزیں اُگاتا ہے؟

-4 محنت سے کیا کیا فائدے حاصل ہوتے ہیں؟

-5 ان لفظوں کا تعلق کسان کی زندگی اور کام سے ہے:۔ ہل۔ کھیت۔ بیل۔ اناج۔ ترکاری۔
اسی طرح کے پانچ الفاظ اور لکھیے جو کسان کے کام سے تعلق رکھتے ہیں۔

# رضا کار



جلال کے ماں باپ وفات پا چکے تھے۔ وہ اپنی دادی کے ساتھ رہتا تھا۔ بوڑھی دادی محنت مزدوری کر کے اپنا اور جلال کا پیٹ پالتی تھی۔

ایک دن جلال سکول سے آیا تو اس کے گلے میں شدید درد تھا۔ کوئی چیز نگلنا مشکل تھی۔ بخار بھی بہت تیز تھا۔ دادی گھبرا گئی۔ ہمسائی کو آواز دی۔ ''اے بہن! ذرا میرے بچے کو دیکھنا''۔ ہمسائی نے آ کر دیکھا تو جلال بخار میں بے سدھ پڑا تھا اور حلق کے درد کی تکلیف سے بے چین تھا۔ ہمسائی نے کہا۔ ''بچے کو تو بڑی تکلیف ہے۔ میری مانو تو تم اسے ہسپتال لے جاؤ''۔ ہسپتال کا نام سن کر دادی پریشان ہو گئی۔ بولی: ''وہاں تو مریضوں کی اتنی بھیڑ ہوتی ہے کہ مجھ جیسے بوڑھے ناتواں لوگ تو دھکے کھا کر واپس آ جائیں۔ ایک دہاڑی کا نقصان الگ ہو۔''

تمام رات جلال تیز بخار میں جلتا رہا۔ اگلے روز دادی صبح صبح ہی جلال کو لے کر ہسپتال پہنچ گئی۔

ہسپتال میں مریضوں کا ہجوم تھا، وہ پرچی بنانے والے پر ٹوٹے پڑ رہے تھے۔ دادی تمام رات تو جلال کے ساتھ جاگی تھی، اب یہ بھیڑ دیکھ کر چکرا سی گئی۔

اس نے جلال کو بنچ پر بٹھا دیا اور خود سر پکڑ کر وہیں سوچنے لگی۔ ''یا اللہ! میں پرچی کیسے بنواؤں!'' اتنے میں خاکی نیکر اور قمیص میں گیارہ بارہ سال کے دو لڑکوں نے قریب آ کر بڑی نرمی سے پوچھا ''مائی جی! آپ نے پرچی بنوالی ہے یا ہم آپ کی مدد کریں''؟

جلال کی دادی سمجھی، لڑکے مذاق کر رہے ہیں کہنے لگی۔ ''تم کیا ڈاکٹر ہو جو میری مدد کرو گے؟''

لڑکے بولے ''نہیں مائی جی، ہم ڈاکٹر نہیں بلکہ رضا کار ہیں۔ ہماری یہاں پر ڈیوٹی لگی ہے کہ کمزور اور بوڑھے مریضوں کی مدد کریں۔''

دادی نے خوش ہو کر بچوں کو جلال کا نام اور عمر بتائی۔

اتنے میں جلال نے پانی مانگا۔ ایک لڑکا جلال کے لیے پانی لے کر آیا اور دوسرا جھٹ پٹ پرچی بنوا لایا۔ دادی نے ان کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعا دی۔ پھر وہ پوچھنے لگی۔ ''بیٹا کیا تم اس ہسپتال میں نوکر ہو؟''

لڑکوں نے مسکرا کر جواب دیا۔ ''نہیں مائی جی، ہم ہسپتال کے نوکر نہیں، ہم رضا کار ہیں۔ رضا کار کا مطلب ہے اپنی خوشی سے کام کرنے والا۔ رضا کار کا فرض ہے کہ جہاں کہیں اور جس کسی کو مدد کی ضرورت ہو، وہ خود بخود اس کی مدد کو پہنچ جائے۔''

رضا کار جنگ اور امن دونوں ہی حالتوں میں اپنے شہر، علاقے اور ملک کی ہر ضرورت کو سمجھتا ہے اور انسانوں کی مدد کے لیے

تیار رہتا ہے۔

جلال اور اس کی دادی جب دوا بنوا کر ہسپتال کے پھاٹک سے نکل رہے تھے تو انھوں نے دیکھا کہ ان میں سے ایک لڑکا دوڑ دوڑ کر کمزور اور بوڑھے مریضوں کے لیے سواریاں روک رہا ہے اور ان کو سوار کرا رہا ہے۔ جلال رکشا میں بیٹھ کر بولا۔ ''دادی ماں! میں اچھا ہو جاؤں تو میں بھی رضا کار بنوں گا''۔ دادی نے کہا: ''ہاں بیٹا ضرور، اس لیے کہ دوسروں کی بے غرض خدمت ہمیں سچی خوشی دیتی ہے''۔

## مشق

1- دادی ہسپتال جانے سے کیوں گھبراتی تھی؟

2- رضا کار لڑکے نے جلال اور اس کی دادی کی مدد کس طرح کی؟

3- رضا کار کسے کہتے ہیں؟

4- آپ رضا کار بن کر کیا کیا خدمت کر سکتے ہیں؟

5- آپ اپنے سکول میں اپنے ساتھیوں کی کیا مدد کر سکتے ہیں؟

6- خدمت کے متعلق دس جملے اپنی کاپی میں لکھیے۔

7- ان کے معنی یاد کیجیے: -

پیٹ پالنا۔ بے سُدھ۔ ناتواں۔ مریض۔ ہجوم۔ ڈیوٹی۔ بے غرض

8- اس سبق میں سے دس ایسے الفاظ الگ کیجیے جن میں نقطے والا کوئی حرف نہ آتا ہو۔ جیسے درد، مگر۔ سال......



# نیکی کا بدلہ

پرانے زمانے کی بات ہے کہ کسی ملک پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ وہ بہت مغرور اور ظالم تھا۔ اپنے خزانے کو دولت سے بھرتا رہتا اور غریبوں کو ایک پیسا تک نہ دیتا۔ ایک دن اس کے محل کے سامنے ایک فقیر نے صدا لگائی ''ہے کوئی اللہ کا بندہ جو مجھے ایک روٹی کھلا دے''۔ بادشاہ نے فقیر کی صدا پر کوئی توجہ نہ دی۔ فقیر دیر تک صدا لگاتا رہا۔ جب بادشاہ نے اس کی بات نہ سنی تو وہ یہ کہ کر وہاں سے چلا گیا۔ ''دُنیا میں عیش کرلو، آخرت میں مصیبت اٹھاؤ گے۔ تمھیں جنت نہیں ملے گی''۔

فقیر کی صدا ملکہ نے بھی سنی۔ وہ اپنی خادماؤں کے ساتھ محل کے دروازے تک آئی۔ اس نے دیکھا کہ فقیر سر جھکائے کچھ کہتا ہوا اپنی کٹیا کی طرف جارہا ہے۔ اس نے غور سے سنا تو فقیر کہ رہا تھا۔ ''دُنیا فانی ہے۔ جو اس دُنیا میں آیا ہے وہ واپس بھی جائے گا۔ کیا بڑے بڑے محلوں والے اور کیا ہم جیسے فقیر، سب کو جانا ہوگا، جو دُنیا میں نیک عمل کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو بُرے کام کرے گا، غریبوں کی پروا نہیں کرے گا، وہ قیامت کے روز نقصان اٹھائے گا۔'' فقیر کی بات سُن کر ملکہ کے دل پر بہت اثر ہوا۔ اس نے اپنی خادِمہ کے ذریعے سے فقیر کو کھانا بھجوایا۔ اس پر فقیر نے روٹی لے کر ملکہ کو جنت میں جانے اور دُنیا میں اچھے اعمال کرنے کی دعا دی اور چلتا بنا۔ رات ہوئی بادشاہ اپنے محل میں جا کر سو گیا۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ ایک بہت خوبصورت محل ہے۔ محل کے چاروں طرف خوبصورت باغات ہیں۔ جن کے درخت پھلوں اور میووں سے لدے ہوئے ہیں۔ محل میں ایک سونے کا تخت بچھا ہوا ہے اس تخت پر ملکہ خوبصورت لباس پہنے ہوئے بیٹھی ہے۔ بادشاہ نے بھی اس محل میں داخل ہونے کی کوشش کی لیکن دربانوں نے اسے محل میں گھسنے نہ دیا۔ بادشاہ کی آنکھ کھلی تو اس نے خواب کے بارے میں سوچنا شروع کیا۔ اس نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو جہاں ملکہ بیٹھی تھی وہ جنت کا نقشہ تھا لیکن مجھے اندر جانے کی اجازت

تک نہ ملی۔ اس خواب کا بادشاہ پر بہت اثر ہوا۔ چنانچہ اس نے اپنے رویے کو بہتر بنانے کا پختہ ارادہ کرلیا تاکہ اسے بھی اچھے کاموں کا بدلہ مل سکے۔

دوسرے روز بادشاہ نے اسی فقیر کو اپنے دربار میں بُلوایا تو اسے سونے کی اشرفیوں کی ایک تھیلی دی لیکن فقیر نے اشرفیوں کی تھیلی لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ کل تو تم نے ملکہ سے روٹی لے کر جنت پانے کی دعا دی تھی اور آج مجھ سے اشرفیاں بھی نہیں لے رہے۔ فقیر بولا، ملکہ نے مجھے اللہ کے خوف اور رحم دلی کے جذبے سے روٹی کھلائی تھی۔ ملکہ کے اس عمل میں کوئی غرض شامل نہ تھی لیکن آپ یہ اشرفیاں دکھاوے اور ذاتی غرض سے دے رہے ہیں۔ اس طرح ملکہ کے عمل اور آپ کے عمل میں بڑا فرق ہے۔ پس آپ اپنی اشرفیاں اپنے پاس رکھیے کیوں کہ اللہ تعالیٰ کو ایسا عمل پسند نہیں۔

بادشاہ کے دل پر فقیر کی باتوں کا بڑا اثر ہوا۔ اس کے بعد بادشاہ نے دکھاوے اور لالچ کے کاموں سے منہ موڑ لیا اور اپنی رعایا کی ضرورت کا خیال رکھنے لگا۔ بادشاہ کے اس نیک عمل سے اس کی رعایا تھوڑے ہی عرصے میں خوشحال ہوگئی۔ سچ ہے بادشاہ کی نیت صاف ہو تو رعایا پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہونے لگتا ہے۔

## مشق

1- بادشاہ کیسا آدمی تھا؟

2- فقیر نے ملکہ کو کیا دعا دی؟

3- اس کہانی سے ہم کیا سبق حاصل کرتے ہیں؟

4- فقیر نے بادشاہ سے اشرفیاں قبول کرنے سے کیوں انکار کیا؟

5- درج ذیل الفاظ کے جملے بنائیں۔

ظالم۔ مغرور۔ غرور۔ ہمدردی۔ رحمدل۔ برتری

6- دیے ہوئے چارٹ کی مدد سے جملے بنائیں۔

| | | | |
|---|---|---|---|
| بادشاہ<br>ملکہ<br>فقیر | نے | اشرفی<br>اشرفیاں<br>دعا<br>دعائیں | دی<br>دیں |

# ٹیلی فون



ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔اسے سنتے ہی فاخرہ ٹیلی فون پر لپکی اور لگی اپنی سہیلی ساجدہ سے باتیں کرنے۔ساجدہ لاہور کے دوسرے کونے پر رہتی ہے۔دونوں کے گھروں میں کوئی دس بارہ کلومیٹر کا فاصلہ ہوگا۔آنا جانا کچھ اتنا سہل نہیں۔اکثر ٹیلی فون ہی پر ایک دوسرے سے بات چیت کر لیتی ہیں۔اگر ان کے گھر پر ٹیلی فون نہ ہوتا تو انھیں ایک دوسرے کے حالات کا علم نہ ہو سکتا تھا۔

لیجیے ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی۔فاخرہ نے پھر ٹیلی فون اٹھایا۔"ہیلو! کون صاحب؟" لیکن اب کے ٹیلی فون فاخرہ کا نہیں، اس کے ابو کا ہے۔"ابو ابو" فاخرہ نے آواز دی۔ابو آواز سنتے ہی ٹیلی فون کی طرف بھاگے آئے۔ان کے ایک دوست کراچی سے بات کر رہے تھے۔یہ بہت ضروری بات تھی، کوئی کاروبار کی بات۔بات ختم ہوئی تو فاخرہ کے ابو اپنے کمرے میں چلے گئے۔

تھوڑی دیر بعد پھر گھنٹی بجی۔اب کے فاخرہ کی امی نے ٹیلی فون اٹھایا۔ٹیلی فون پر آپریٹر کہہ رہا تھا "لندن۔بات کیجیے۔" فاخرہ کی امّی کے ایک بھائی ناصر لندن میں رہتے ہیں یہ ان کا ٹیلی فون تھا۔ناصر کا نام سنتے ہی فاخرہ اور اس کے ابّو دونوں دوڑے دوڑے آئے، ناصر کا ٹیلی فون بڑے عرصے کے بعد آیا تھا۔سب گھر والے اس کی آواز کے مشتاق تھے۔ہر ایک اس سے بات کرنے کے لیے بے تاب تھا۔پہلے امی نے ناصر کا حال پوچھا۔پھر فاخرہ نے ماموں جان کی خیریت دریافت کی۔پھر ابو نے چند ضروری باتیں کیں۔

ناصر سے بات کرنے کے بعد سب خوش تھے اور حیران بھی۔حیران اس لیے کہ ہزاروں کلومیٹر کے فاصلے کے باوجود ناصر کی آواز اس قدر صاف آرہی تھی جیسے وہ دوسرے کمرے میں بیٹھا باتیں کر رہا ہو۔

ٹیلی فون بھی کیا چیز ہے! سیکڑوں ہزاروں کلومیٹر کے فاصلے سے، بچھڑے دوستوں کو ملاتا ہے۔شہر شہر اور ملک ملک کی خبریں لاتا ہے۔ٹیلی فون کے ذریعے لوگ ہر روز لاکھوں روپے کا کاروبار کرتے ہیں۔ٹیلی فون نہ ہو تو سرکاری کاموں کے انجام دینے میں بڑی تاخیر ہُوا کرے۔ٹیلی فون سے ہمارا وقت بچتا ہے، محنت بچتی ہے اور ہمیں قدم قدم پر سہولت ہوتی ہے۔



بچو! کیا کبھی آپ نے سوچا کہ یہ چھوٹا سا ٹیلی فون سیٹ جو دُور دُور سے آوازیں اور پیغام ہمیں پہنچاتا ہے، کس نے ایجاد کیا، کب ایجاد ہوا اور کیسے ایجاد ہوا؟ آپ میں سے بہت سے بچوں نے اس پر غور کیا ہوگا اور بہت سے بچے تو ٹیلی فون کے بارے میں یہ جانتے بھی ہوں گے کہ یہ "گراہم بیل" کی ایجاد ہے۔گراہم بیل سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔وہ گونگے اور بہرے بچوں کو پڑھایا کرتا تھا۔وہ جانتا تھا کہ آوازوں کی لہریں کان کے نازک پردوں سے ٹکراتی ہیں۔اس نے کان کے پردے کی طرح دو گول جھلیاں بنائیں اور ان دونوں کو فاصلے پر رکھ کر بجلی کے

تاروں سے مِلا دیا۔ پھر اس نے ایک جھلی کے پاس جا کر کوئی بات کہی۔ اس سے جو لہریں پیدا ہوئیں، وہی لہریں دوسری جھلی میں پیدا ہو گئیں جن کو ہوا کی لہروں نے الفاظ میں تبدیل کر دیا، اور وہاں وہی بات ہُو بہُو اسی طرح سنائی دی جس طرح وہ پہلی جھلی کے پاس کی گئی تھی۔

بیل نے اپنے تجربات جاری رکھے۔ اس کا ایک دوست اس کے لیے جھلیاں بناتا اور بیل ان کی مدد سے تجربے کرتا۔ بیل نے کئی مرتبہ اپنے کمرے میں جھلی سے کچھ الفاظ کہے جو دوسرے کمرے میں سنے گئے۔ بیل کو اب یقین ہو گیا تھا کہ تار کے ذریعے الفاظ دور تک سنے جا سکتے ہیں۔

آخر کار بیل 1876ء میں اپنے تجربے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے اپنے ایک دوست والٹن کو بہت دور بھیج کر باتیں سننے کو کہا۔ فاصلے پر والٹن کو بیل کی آواز صاف صاف سنائی دی۔ اُنھی دنوں امریکہ میں ایک نمائش منعقد ہوئی۔ بیل نے اپنی ایجاد کو نمائش میں پیش کیا۔ شروع شروع میں تو لوگ اسے ایک دلچسپ کھلونا ہی سمجھتے رہے لیکن رفتہ رفتہ انھیں اس کی ضرورت اور فائدوں کا احساس ہو گیا۔ بیل نے ٹیلی فون کو مقبول ہوتے دیکھا تو ایک کمپنی بنالی، جس کا نام اس نے بیل ٹیلی فون کمپنی رکھا۔ بیل کمپنی نے ٹیلی فون کی خرابیوں کو دُور کیا۔ ٹیلی فون ایکس چینج قائم کیا۔ آہستہ آہستہ کام بڑھا تو مختلف شہروں میں دفتر قائم ہو گئے۔ جوں جوں لوگوں کی ٹیلی فون میں دلچسپی بڑھتی گئی، بیل کمپنی کا کاروبار وسیع ہوتا چلا گیا۔ آج امریکہ یا کسی دوسرے بڑے ملک کا شاید ہی کوئی گھر ایسا ہو گا جو ٹیلی فون سے خالی ہو۔ خود ہمارے ملک میں جگہ جگہ ٹیلی فون لگے ہوئے ہیں۔ پشاور سے کراچی تک بڑے بڑے شہروں میں بات کرنے کے لیے خود نمبر گھمائیے اور جس سے چاہے، بات کر لیجیے۔

ٹیلی فون آج کے دور کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اس سے گھر بیٹھے لوگوں کے ہزاروں کام سنورتے ہیں، لاکھوں مسئلے حل ہوتے ہیں۔ اب تو ٹیلی فون میں اور بھی ترقی ہو رہی ہے۔ آپ اگر گھر پر موجود نہیں، آپ کا ٹیلی فون آپ کے لیے پیغام لکھ لے گا اور واپسی پر آپ کو وہ پیغام سنا دے گا۔ اسی طرح یہ تجربہ بھی کامیاب ہو چکا ہے کہ ٹیلی فون پر گفتگو کرنے والے ایک دوسرے کی تصویر بھی دیکھ سکیں۔ جب اس قسم کے ٹیلی فون گھروں میں لگ گئے تو آپ اپنے عزیزوں کی نہ صرف آواز سن سکیں گے بلکہ ان کی شکل بھی دیکھ سکیں گے۔

گراہم بیل مر گیا، لیکن اس کا نام آج بھی باقی ہے اور جب تک دُنیا باقی ہے، اس کا نام زندہ رہے گا۔

## مشق

-1 ٹیلی فون کس طرح ایجاد ہوا؟

-2 ٹیلی فون کے کیا کیا فائدے ہیں؟

-3 تجربہ کسے کہتے ہیں؟ کیا آپ نے بھی کوئی تجربہ کیا ہے؟

-4 اپنے استاد سے پوچھیے کہ ریل کا انجن کس طرح ایجاد ہوا تھا؟

-5 ''ایجادات کی کہانی'' ایک دلچسپ کتاب ہے۔ یہ کتاب ضرور پڑھیے اور کسی ایجاد کی کہانی اپنی کاپی میں لکھیے۔

-6 ان کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے:-

سہل۔ علم ہونا۔ آپریٹر۔ مشتاق۔ تاخیر۔ سہولت۔ ہوبہو۔ نمائش۔ منعقِد

-7 واحد سے جمع بنائیے۔ جیسے تجربہ سے تجربات۔

حالت۔ ایجاد۔ آلہ۔ احساس۔ باغ

-8 سبق میں سے ایسے دس لفظ الگ کیجیے جن میں نقطے والا کوئی حرف نہ ہو جیسے:

کام، دور وغیرہ......

# آزاد کشمیر کا سفر

بس مری کے خوب صورت اور ہرے بھرے راستوں کو پیچھے چھوڑتی کوہالہ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ وادیاں چیل کے گھرے سبز درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ آسمان پر نیلے اُودے رنگ کی گھٹائیں جھوم رہی تھیں۔ وادیوں میں بادل دُھنکی ہوئی روئی کے گالوں کی طرح وادیوں میں اتر رہے تھے۔

یہ منظر اتنا دلکش تھا کہ بس کے مسافروں کی نظریں اس پر سے ہٹتی نہیں تھیں۔ بس میں زیادہ تر مسافر وہی تھے جنھیں آزاد کشمیر جانا تھا۔ انھی میں علی مراد اور اکبر بھی تھے۔ علی مراد آزاد کشمیر سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسلام آباد آیا ہوا تھا اور اپنے ماموں جان کے پاس رہتا تھا۔ علی مراد اکبر سے کہا کرتا تھا کہ ''کبھی میرے ساتھ چلو تو میں تمھیں دکھاؤں کہ آزاد کشمیر کتنی خوبصورت جگہ ہے۔'' آخر گرمیوں کی چھٹیوں میں اکبر کو علی مراد کے ساتھ اس کے گاؤں جانے کی اجازت مل گئی۔ دونوں لڑکے منہ اندھیرے بس کے ذریعے اسلام آباد سے روانہ ہوئے۔ علی مراد اکبر کو راستے کی ہر چیز کے متعلق بڑے جوش وخروش سے بتاتا جا رہا تھا۔

بس اب کوہالے کے پُل سے گزر رہی تھی۔ مری کے بَل کھاتے ہوئے راستے اور چھوٹی چھوٹی بستیاں بہت پیچھے رہ گئی تھیں۔ کوہالے سے ایک راستا مظفر آباد کو جاتا ہے۔ دوسرا باغ کو۔ باغ کی طرف چڑھائی کا سفر تھا۔ بس زور لگاتی، شور مچاتی، چڑھتی جا رہی تھی۔ نیچے دریائے جہلم ایک تنگ ندی کی صورت میں بہ رہا تھا۔ اکبر نے بس سے نیچے دیکھا تو اس کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ اسے یوں معلوم ہوا جیسے ابھی یہ بس پھسل کر دریا میں جا گرے گی۔ علی مراد نے اسے تسلّی دی۔ تھوڑی دیر میں اس کا ڈر جاتا رہا اور مزے سے پہاڑوں کے منظر دیکھنے لگا۔

بس دِھیر کوٹ جا کر رُکی۔ یہ جگہ بہت پُر فضا اور آلودگی سے پاک ہے کیوں کہ یہاں نہ فیکٹریوں کا دھواں ہے نہ بسوں، سکوٹروں اور رکشوں کا شور۔ دھیر کوٹ بڑی بلندی پر ہے۔ یہاں سے وادیوں کا منظر بہت خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔ اکبر کے لیے راستے کی ہر چیز نئی اور دلکش تھی۔ وہ بار بار کھڑکی سے سر باہر نکالتا تھا۔ علی مراد نے اس سے کہا ''اکبر سر باہر نہ نکالو، پہاڑیوں کے قریب سے بس گزرتی ہے تو سر ٹکرا جانے کا ڈر ہوتا ہے یا پھر کوئی دوسری بس تیزی میں قریب سے گزرے گی تو بھی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔'' دیر تک چلتے رہنے کے بعد بس ایک خاصے بارونق بازار میں رُکی۔ یہاں کپڑے اور پرچون کی دکانوں کے علاوہ ضرورت کا ہر سامان بِک رہا تھا، سبزی اور انڈے بھی بِک رہے تھے۔ کھانے پینے کی تمام چیزیں ڈھانپ کر رکھی ہوئی تھیں۔

علی مراد نے اکبر کو بتایا ''یہاں سے بس اب ضلع باغ جا کر رُکے گی۔'' باغ تو سچ مچ باغ ہی تھا۔ بڑا اسپتال، بڑا اسکول اور ڈاکخانہ یہیں ہے۔ ہر طرف سبزہ ہے اس لیے فضا گرد آلود نہیں ہے۔ اخروٹ، انار، بگو گوشے، آلوچے اور انجیر کے باغات بھی کثرت سے ہیں۔ باغ سے ذرا آگے نالا ہے جس کا پانی بہت صاف شفاف ہے کیوں کہ لوگ نہ اس میں مویشی نہلاتے ہیں اور نہ اس میں کپڑے دھوتے ہیں۔ مسافر اس نالے کو لاریوں، جیپوں اور ٹرکوں کے ذریعے پار کرتے ہیں، لیکن عام کشمیری اس خوبصورت نیلے اور ٹھنڈے پانی کے نالے کو پیدل ہی پار کرتے ہیں۔

دونوں لڑکوں نے اپنی شلواروں کے پائنچے اوپر چڑھا لیے اور چکنے پھسلواں پتھروں پر احتیاط سے چلتے ہوئے نالا پار کرلیا۔ ایک سرسبز پہاڑی پر تھوڑی سی چڑھائی کے بعد وہ علی مراد کے گاؤں پہنچ گئے۔

علی مراد کا گھر سبزے سے ڈھکے ہوئے ایک اُونچے ٹیلے کو کاٹ کر بنایا گیا تھا۔ یہ بہت خوبصورت جگہ تھی۔ نشیبی راستے میں مویشیوں کا باڑا تھا۔ علی مراد کے ابا نے اس باڑے کو صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔ باڑے کا تمام کوڑا ایک گڑھے میں جمع کیا ہوا تھا تاکہ اس سے فضا آلودہ نہ ہو۔ ایک بڑا بند دالان اور اس کے پیچھے بڑا سا کمرہ۔ اِحاطے میں انار، اخروٹ اور انجیر کے پیڑ تھے۔ اکبر کو دیکھ کر سب خوش ہوئے اور اس کی بڑی خاطر کی گئی۔

ایک دن آرام کر کے علی مراد اور اکبر سیر کو نکلے۔ یہ چشموں اور نالوں کی بستی تھی۔ جدھر دیکھو سبزے کے درمیان، پگڈنڈیوں کے ساتھ ساتھ پگھلی ہوئی چاندی کی طرح پانی کی نہر بل کھاتی جارہی تھی۔

یہ سارا علاقہ اخروٹ، انار اور انجیر کے درختوں سے بھرا ہوا تھا۔ ڈھلوان میں زیتون کی جھاڑیاں کثرت سے تھیں۔ علی مراد نے اکبر کو بتایا ''ہم زیتون کو کہُو اور انجیر کو پھگواڑہ کہتے ہیں''۔ یہاں کے بعض علاقے دیکھ کر تو اکبر کو یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی خوبصورت خواب دیکھ رہا ہے۔ پہاڑوں کی ڈھلانیں، نیلوفر اور کاسنی کے علاوہ زرد، نیلے اور سفید پھولوں سے پٹی پڑی تھیں اور ان میں رنگ برنگ کی تتلیاں اُڑ رہی تھیں۔



ڈِھلّی کا راستا دونوں لڑکوں نے خچروں پر طے کیا۔ یہ راستا اور بھی خوبصورت تھا۔ جُوں جُوں بلندی کی طرف جارہے تھے، چیل اور چنار کے جھنڈ نظر آرہے تھے۔ علی مراد نے بتایا ''جب برف پڑتی ہے تو چناروں کے پتے سرخ ہوجاتے ہیں، دُور سے دیکھو تو ایسا معلوم

ہوتا ہے کہ جنگل میں آگ لگی ہوئی ہے۔"

آزاد کشمیر میں چند سال سے بہت سے سکول کھل گئے ہیں۔ دیواروں پر ایک ہی نعرہ لکھا نظر آیا ہے "کشمیر بنے گا پاکستان"۔

ہفتہ بھر وہاں رہنے کے بعد اکبر، علی مراد سے رخصت ہو کر اسلام آباد آ گیا لیکن اس کی آنکھوں میں ابھی تک آزاد کشمیر کے سرسبز مناظر اور خوبصورت بچوں کے چہرے سمائے ہوئے تھے۔

## مشق

-1 آزاد کشمیر کے سفر کا حال مختصر کر کے سنائیے۔

-2 آزاد کشمیر میں کون کون سے پھل زیادہ ہوتے ہیں؟

-3 "کشمیر بنے گا پاکستان" اس کا مطلب اپنے استاد صاحب سے دریافت کیجیے۔

-4 اس سبق میں سے دس ایسے لفظ چن کر لکھیے جن میں "د" کا حرف آتا ہو جیسے وادی۔ دُور......

-5 ان لفظوں کے معنی لکھیے اور جملے بنائیے:۔

جوش و خروش۔ کثرت۔ دلکش۔ اندیشہ۔ دالان۔ نشیبی

-6 ہر خانے سے ایک ایک لفظ لے کر جملے بنائیے۔

| | | |
|---|---|---|
| طارق | پھل | کھاتی ہے |
| احمد | کھچڑی | کھاتا ہے |
| حامدہ | خط | لکھتا ہے |
| نسیمہ | تختی | لکھتی ہے |

# میاں وارث شاہ رحمۃ اللہ علیہ

فیصل شام کے کھانے کے بعد ٹیلی وژن کے سامنے جا بیٹھا۔ اس کے ابو اور امی پہلے ہی وہاں موجود تھے۔ ٹیلی وژن پر صوفیا کرامؒ کے متعلق ایک پنجابی پروگرام پیش کیا جا رہا تھا۔ ایک شخص نے یہ شعر پڑھے۔

وارث عمل نہ کیتے چنگے
بے پروائی کولوں سنگے
نِت دُعا فضل دی منگے
رحم کریں میں ماری دا

فیصل نے ابو سے پوچھا! ''ابو جان! ان شعروں کا مطلب کیا ہے؟''

ابُو! ''بیٹا! یہ شعر میاں وارث شاہؒ کے ہیں، ان شعروں کا مطلب یہ ہے کہ وارث نے دُنیا میں اچھے کام نہیں کیے ہیں اب اپنی غفلت سے شرم آتی ہے۔ قیامت کے دن اللہ کے سامنے کس منہ سے جائے گا۔ اے وارث تو ہمیشہ اللہ سے اس کے فضل کے لیے دعا کرتا ہے کہ اے اللہ ہم پر رحم کر، میں تباہ ہو گیا ہوں۔''

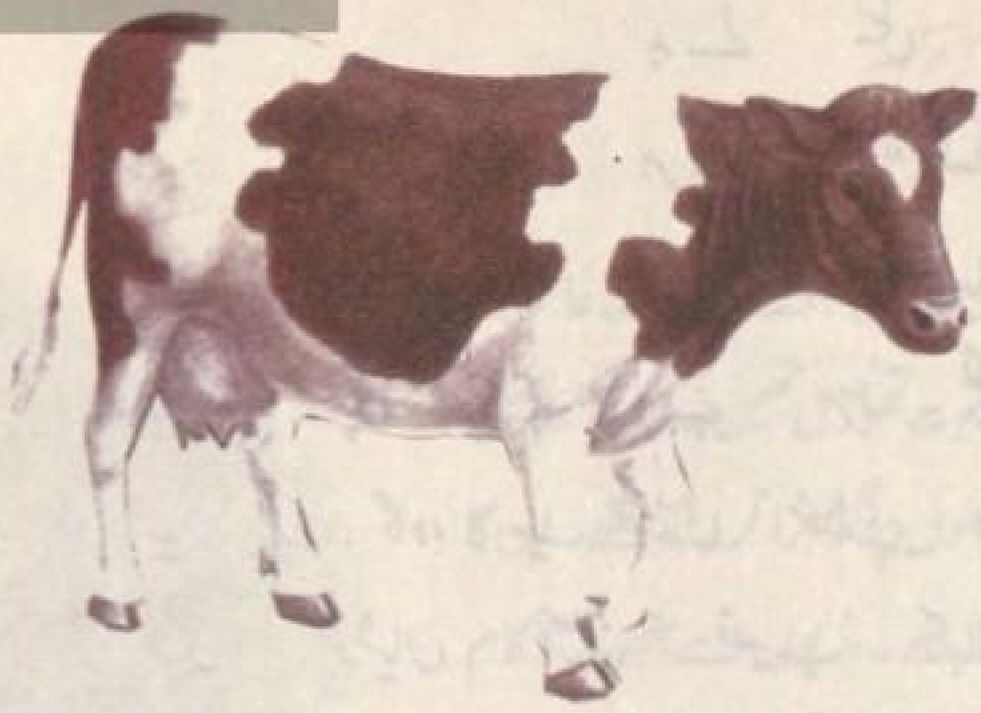
فیصل نے کہا! اچھا ابو جان: میاں وارث ہمارے اتنے اچھے بزرگ ہیں لیکن ہمیں ان کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ آج ان کے بارے میں آپ ہی کچھ بتائیے نا!

ابا جان: بیٹا فیصل! کیوں نہیں۔ میاں وارث شاہؒ بہت بڑے درویش تھے۔ وہ ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں جنڈیالہ شیر خاں میں پیدا ہوئے۔ ذرا ہوش سنبھالا تو علم حاصل کرنے کے لیے قصور چلے گئے۔ اس زمانے میں حضرت غلام محی الدّین قصوریؒ کی درس گاہ میں میاں وارث شاہؒ نے نہ صرف اس وقت کے رائج دنیاوی علوم سیکھے بلکہ اخلاقی تربیت کا فیض بھی پایا۔ پھر مزید روحانی فیض کی تلاش میں پاک پتن گئے۔ وہاں سلسلہ چشتیہ میں حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے اُس وقت کے جانشین کے مرید ہو گئے۔

جب روحانی تربیت مکمل ہو گئی تو اپنے گاؤں جانے کا ارادہ کیا۔ واپسی پر ساہیوال کے ایک گاؤں ''ملکہ ہانس'' میں قیام کیا۔ اسی گاؤں کی مسجد میں چند سال امامت کی۔ وہاں دوستوں کے مشورے سے ''ہیر وارث شاہ'' کے نام سے پنجابی زبان میں ایک کتاب لکھی جس میں ایک لوک کہانی نظم کی شکل میں بیان کی گئی۔ میاں وارث شاہؒ اپنے استاد صاحب کی خدمت میں قصور میں دوبارہ حاضر ہو گئے اور پھر اپنے آبائی گاؤں جنڈیالہ شیر خاں واپس آ گئے۔ ۱۸۲۰ء میں وفات پائی اور اسی جگہ دفن ہوئے۔ آپ کا مزار جنڈیالہ شیر خاں میں ہے۔ آپ نے شادی نہیں کی البتہ آپ کے بھائی قاسم شاہؒ کی اولاد موجود ہے۔

فیصل: ابو جان صوفی بزرگ کیا ہوتا ہے؟

حضرت میاں وارث شاہؒ پنجابی کے مشہور صوفی شاعر تھے۔ صوفی اُس شخص کو کہتے ہیں جو دل کا پاک صاف ہو اور شریعت کی پابندی کے ساتھ ساتھ اللہ سے دلی لگاؤ بھی رکھے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے پیار کرے اور خدمتِ خلق کو اللہ تک پہنچنے کا وسیلہ سمجھے۔ علم کو عمل میں لائے کیوں کہ عمل کے بغیر علم بے کار ہے۔



# ایک گائے اور بکری

اک چراگاہ ہری بھری تھی کہیں
تھی سراپا بہار جس کی زمیں

کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں
ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں

تھے اناروں کے بے شمار درخت
اور پیپل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں
طائروں کی صدائیں آتی تھیں

کسی ندی کے پاس اک بکری
چرتے چرتے کہیں سے آ نکلی

جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا
پاس اِک گائے کو کھڑے پایا

پہلے جھک کر اسے سلام کیا
پھر سلیقے سے یوں کلام کیا

"کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں"
گائے بولی کہ "خیر اچھے ہیں

کٹ رہی ہے بُری بھلی اپنی
ہے مصیبت میں زندگی اپنی

زور چلتا نہیں غریبوں کا!
پیش آیا لکھا نصیبوں کا

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے

دُودھ کم دوں تو بُڑ بُڑاتا ہے
ہُوں جو دُبلی تو بیچ کھاتا ہے

اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں



بدلے نیکی کے یہ برائی ہے
مرے اللہ تری دُہائی ہے"

سن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی "ایسا گِلہ نہیں اچھا
بات سچی ہے بے مزا لگتی
مَیں کہوں گی مگر خُدا لگتی
یہ چرا گاہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایہ
ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں
یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دَم سے ہیں
سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گزران سے بچائے خُدا
ہم پہ اِحسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں گِلہ اس کا
قدر آرام کی اگر سمجھو
آدمی کا کبھی گِلہ نہ کرو"

گائے سن کر یہ بات شرمائی
آدمی کے گِلے سے پچھتائی
دِل میں پرکھا بھلا بُرا اس نے
اور کچھ سوچ کر کہا اس نے
"یوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دِل کو لگتی ہے بات بکری کی"

(علامہ اقبالؒ)

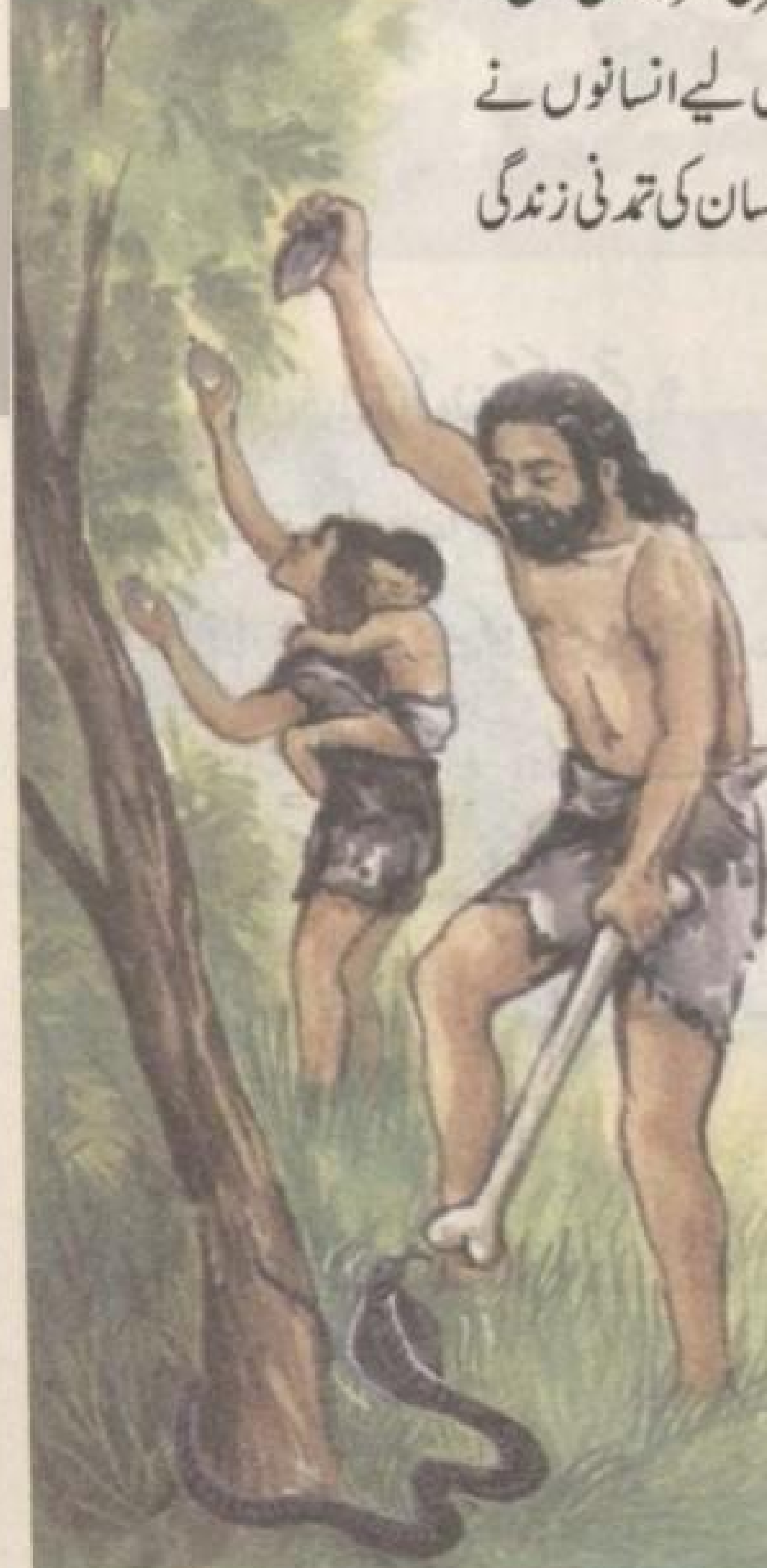
## مشق

1- بکری اور گائے کی باتیں ایک مکالمے کی صُورت میں لکھیے۔
2- دو بچے بکری اور گائے کے کردار ادا کر کے اس نظم کو ڈرامے کی صورت میں پیش کریں۔
3- گائے نے کون سی غلط بات کہی تھی اور بکری نے گائے کو کیا بتایا؟
4- ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنایئے۔ سراپا۔ طائر۔ پالا پڑنا۔ کھٹکا۔ زیبا
5- ہم آواز الفاظ لکھیے جیسے نصیب، غریب

# ہماری آبادی

آج سے ہزاروں سال پہلے اس زمین پر انسانی آبادی بہت کم تھی۔ اس وقت کے لوگ عام طور پر جنگلوں میں رہتے تھے۔ ان کی زندگی بہت سادہ تھی اور ان کی ضرورتیں بہت تھوڑی تھیں۔ اناج حاصل کرنے کے لیے انھیں کھیتی باڑی کی ضرورت نہ تھی بلکہ وہ قدرتی پیداوار اور پھلوں پر گزارا کرتے تھے۔ ان کا عام مشغلہ شکار کرنا تھا۔ جنگلی جانوروں کا شکار کر کے وہ ان کا گوشت کھا لیتے تھے۔ ہڈیوں سے ہتھیار کا کام لیتے تھے اور ان کی کھال سے تن ڈھانپتے تھے۔ رہنے کے لیے مکان نہ تھے، درختوں کی کھوہوں اور پہاڑوں کے غاروں میں پناہ لیتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسرے تمام جانداروں پر فضیلت بخشی، اسے عقل اور شعور عطا کیا ہے۔ لہٰذا انسان سوچتا رہا اور اپنی عقل سے کام لے کر اپنے رہنے سہنے کے طریقوں کو بہتر بناتا رہا۔ جنگلی اور وحشی زندگی خطرناک زندگی تھی۔ انسان کو ہر وقت جنگلی جانوروں کا خوف لگا رہتا تھا۔ گرمی، سردی، برسات، آندھی، طوفان اور بیماری بھی اس کے دُشمن تھے۔ خوراک، لباس اور جائے پناہ اس کی فطری ضرورتیں تھیں۔ ان سب کا علاج یہ تھا کہ انسان مل جل کر رہیں۔ سب مل کر آپس کے کام انجام دیں۔ اس لیے انسانوں نے بستیاں آباد کیں، مکان تعمیر کیے اور اناج حاصل کرنے کے لیے کھیتی باڑی شروع کی۔ یہ انسان کی تمدنی زندگی کا آغاز تھا۔



رفتہ رفتہ آبادی میں اضافہ ہوتا گیا۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں آہستہ آہستہ بڑی ہونے لگیں۔ دیہات، قصبے اور شہر بننے لگے۔ غذا، لباس اور مکان کے حصول کے لیے انسان کو زیادہ محنت سے کام لینا پڑا۔ زمین کے بہت سے حصے پر کاشت ہونے لگی۔ مختلف لوگوں نے طرح طرح کے پیشے اختیار کیے۔ علم اور تہذیب میں ترقی ہوئی۔ انسان کی ضرورتیں بڑھتی گئیں لیکن ایجادات کی وجہ سے زندگی میں بہت سی سہولتیں بھی پیدا ہوئیں۔ جسمانی بیماریوں کے علاج دریافت کیے گئے۔ انسان کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہوگئی اور دُنیا ہر سال زیادہ سے زیادہ آباد ہوتی گئی۔

آبادی بڑھنے کی وجہ سے کچھ مشکلیں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ظاہر ہے کہ جہاں کھانے والوں کی تعداد زیادہ ہوگی وہاں زیادہ اناج کی بھی ضرورت ہوگی، زیادہ مکانات کی حاجت ہوگی۔ تعلیم کے لیے زیادہ مدارس اور صحت کی حفاظت کے لیے زیادہ ہسپتال درکار ہوں گے۔

ہمارے ملک پاکستان کی آبادی بھی روز بروز زیادہ ہو رہی ہے۔ 1981ء کی مردم شُماری کے مطابق ہماری آبادی آٹھ کروڑ اڑتیس لاکھ تھی۔ جواب سولہ کروڑ سے بھی زیادہ ہو چکی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں کھانے کے لیے زیادہ اناج، پہننے کے لیے زیادہ لباس، رہنے کے لیے زیادہ مکانات اور تعلیم کے لیے زیادہ مدارس کی ضرورت ہوگی۔ زندگی کی دوسری سہولتوں میں بھی اضافہ کرنا ہوگا۔

آبادی میں اضافہ ہونے سے جو مشکلات پیدا ہوں گی، ان کو دُور کرنے کے لیے ہم سب کو کوشش کرنا چاہیے۔ ہمیں چاہیے کہ پہلے سے زیادہ محنت کریں۔ ہر پاکستانی کام کرے، کوئی بے کار نہ رہے۔ خُدا نے ہمیں جتنے قدرتی وسائل عطا کیے ہیں، ہم ان سب سے فائدہ اٹھائیں پاکستانی بچے اچھی اور مُفید تعلیم حاصل کریں۔ مدرسے میں پڑھنا لکھنا سیکھنے کے ساتھ ساتھ ہر بچہ کوئی نہ کوئی ہنر بھی ضرور سیکھے تاکہ تعلیم سے فارغ ہوتے ہی وہ روزی کمانے کے قابل ہوسکے اور اپنے ماں باپ کا ہاتھ بٹا سکے۔

پاکستانی قوم بہادُر، محنتی اور باہمت ہے، اس کا ہر فرد مُجاہد ہے۔لہٰذا زندگی کی مشکلات کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر فرد کا تیار ہونا ضروری ہے۔

## مشق

-1 انسان کی ابتدائی زندگی کیسی تھی؟

-2 تمدنی زندگی سے انسان کو کیا فائدے حاصل ہوئے؟

-3 آبادی بڑھنے سے کون کون سی مُشکلات پیدا ہوئیں؟

-4 پاکستان کی موجودہ آبادی کتنی ہے؟

-5 آبادی کی وجہ سے پیدا ہونے والی مشکلات کو ہم کس طرح سے دور کر سکتے ہیں؟

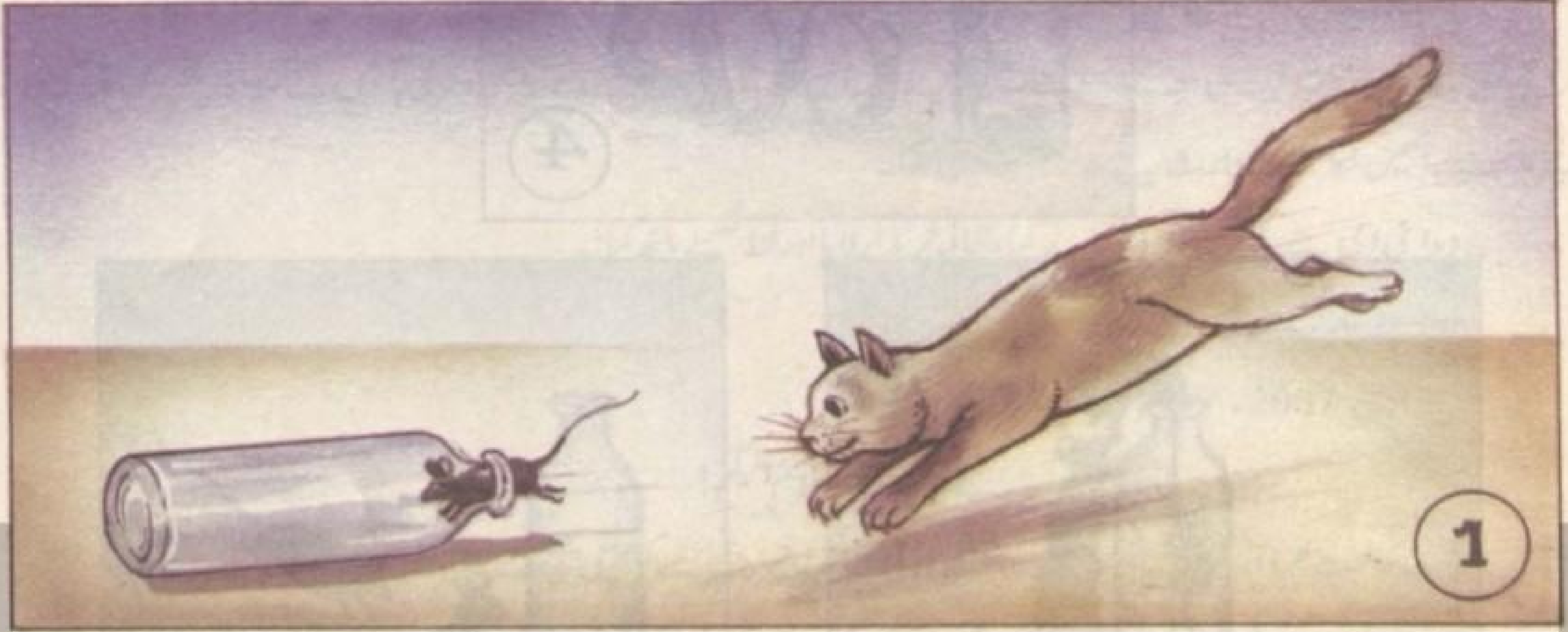
-6 ان الفاظ کے معنی یاد کیجیے اور جملے بنائیے:۔ مشغلہ، وحشی، فضیلت، شعور، تمدن، آغاز، اضافہ، حصول، وسائل، ہاتھ بٹانا

-7 واحِد بتائیے: -

مشکلات، مکانات، وسائل، مسائل، مدارس، ماہرین، ایجادات

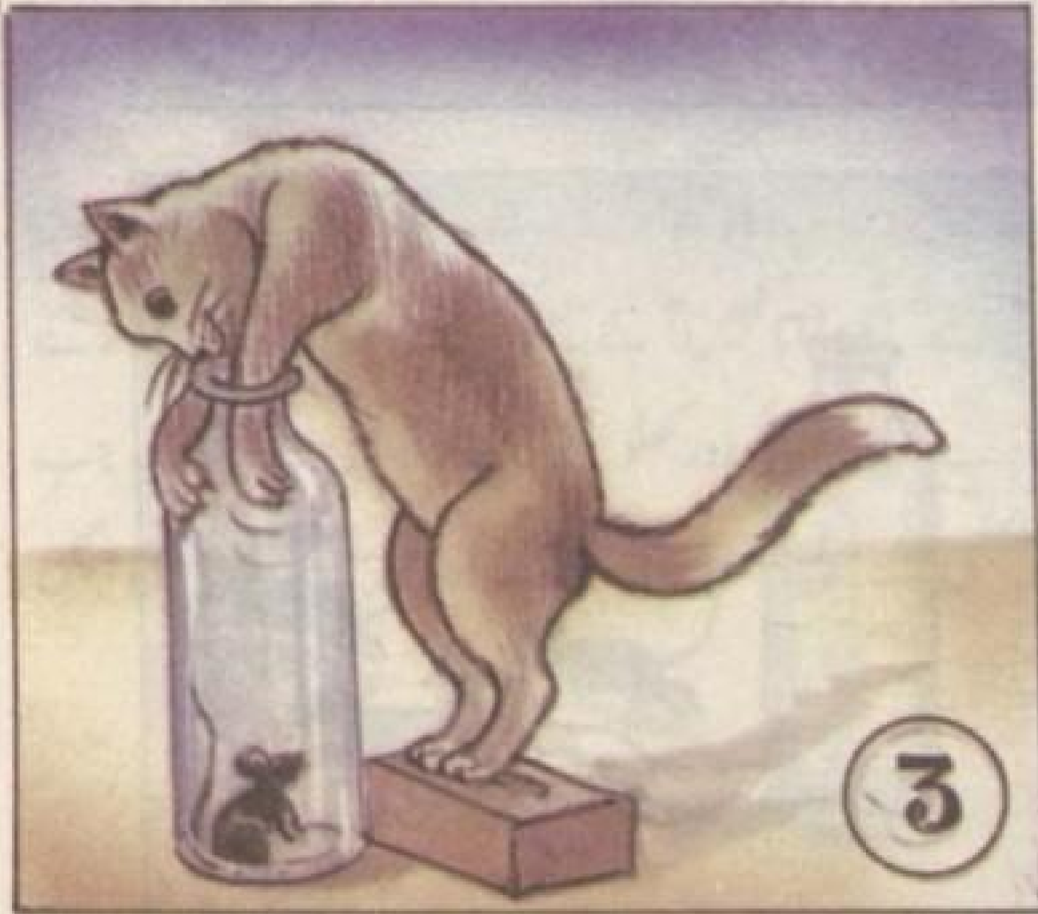
# کہانی لکھیے

ان تصویروں کو غور سے دیکھیے اور خُوب سوچ کر ایک اچھی سی کہانی لکھیے ۔










آپ اپنی کہانی اس طرح شروع کر سکتے ہیں۔

# بلی اور چوہا
















ایک دن ایک چھوٹا سا چوہا بل سے باہر نکل آیا۔ وہ اِدھر اُدھر پھر رہا تھا۔ بلی نے اسے دیکھ لیا۔ بلی چوہے کے پیچھے دوڑی۔ چوہا ڈر کر بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے اسے ایک خالی بوتل نظر آئی۔ وہ..........

# ابّا جان کے نام ایک خط

وارث کے ابا کو کراچی گئے کئی دن ہو گئے تھے۔ وہ جاتے وقت کہ گئے تھے کہ کراچی جا کر خط لکھوں گا۔ اس لیے سب کو ان کے خط کا انتظار تھا۔ ایک دن وارث سکول سے گھر آیا اور کپڑے بدل کر کھانا کھانے کے لیے ہاتھ مُنہ دھونے لگا۔ اتنے میں دروازے پر دستک ہوئی۔ وارث دروازے کے پاس گیا اور پُوچھا: ''کون صاحب ہیں''؟

''ڈاکیا'' (باہر سے آواز آئی)

وارث نے دروازہ کھولا اور ڈاکیے سے خط لے کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ وارث کے ابا جان نے خط میں لکھا تھا کہ وہ خیریت سے کراچی پہنچ گئے ہیں، مصروفیت کی وجہ سے خط لکھنے میں دیر ہوئی۔ اس خط میں انھوں نے وارث کو دوسری باتوں کے علاوہ یہ بھی لکھا تھا کہ وہ اپنے ہاتھ سے انھیں خط لکھے۔ وارث یہ پڑھ کر بہت خوش ہوا۔

وہ اپنی امی سے پیسے لے کر ڈاکخانے گیا، لفافہ خرید کر لایا اور خط لکھنے بیٹھ گیا:۔

اسلامیہ پارک، لاہور

یکم مارچ 2007ء

پیارے ابا جان! السّلامُ علیکُم!

آپ کا محبت بھرا خط مِلا۔ یہ پڑھ کر بہت خُوشی ہوئی کہ آپ خیریت سے کراچی پہنچ گئے ہیں۔

ابا جان! آپ نے جاتے وقت جو باتیں مجھ سے کہی تھیں، میں اُن پر پُوری طرح عمل کر رہا ہوں۔ روزانہ سکول جاتا ہوں۔ گھر واپس آ کر کھانا کھاتا ہوں، پھر تھوڑا سا آرام کر کے سکول کا کام کرتا ہوں۔ شام کو کچھ دیر کھیلتا ہوں، رات کا کھانا کھا کر پھر سکول کا کام کرتا ہوں اور پھر سو جاتا ہوں۔

ابا جان! ننھی آپ کو بہت یاد کرتی ہے اور شام کو چار بجے دروازے پر بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتی ہے۔ جب بیٹھے بیٹھے تھک جاتی ہے تو امّی سے آ کر کہتی ہے ''امّی! ابا نہیں آئے۔ امّی اسے سمجھاتی ہیں کہ تمھارے ابا دُور گئے ہیں، تمھارے لیے مٹھائی اور کھلونے لے کر آئیں گے۔ آپ جب کراچی سے آئیں تو ننھی کے لیے مٹھائی اور کھلونے اور میرے لیے اچھی اچھی کتابیں ضرور لائیں۔



گھر میں سب لوگ خیریت سے ہیں اور آپ کو سلام کہتے ہیں۔

آپ کا پیارا بیٹا

وارث

# ہمدردی

## (کردار)

1- بانو: ایک نوعمر لڑکی
2- سلیم، بانو کا چھوٹا بھائی
3- سلیم کی امی
4- ڈاکیا

## پہلا منظر

(ایک چھوٹا سا کمرہ۔ کمرے کے فرش پر چٹائی بچھی ہے۔ سلیم اور بانو چٹائی پر بیٹھے سکول کا کام کر رہے ہیں) سلیم قاعدہ میز پر رکھ کر اپنی بہن سے کہتا ہے۔

سلیم: باجی! ایک بات بتایئے۔

بانو: ہاں پوچھو، کیا بات ہے؟

سلیم: باجی ہمارے ابا جان کہاں چلے گئے ہیں؟ سب کے ابا جان گھر پر ہیں۔ ہمارے ابا جان گھر کیوں نہیں آئے؟

بانو: امّی جان کہتی ہیں کہ ہمارے ابا جان اللہ میاں کے پاس چلے گئے ہیں۔

سلیم: باجی کیا ابا جان اللہ میاں کے پاس سے واپس نہیں آسکتے؟ مُنّو کے ابا لاہور گئے تھے، وہ تو واپس آگئے!

بانو: امّی جان کہتی ہیں کہ جب تم لوگ بڑے ہو جاؤ گے، تب تمھارے ابا واپس آئیں گے۔

سلیم: باجی! امّی جان ہر وقت کپڑے سیتی رہتی ہیں، پھر انھیں کسی کو دے آتی ہیں۔ آپ امّی جان سے کہیے کہ وہ کپڑے نہ سیا کریں کچھ فارغ وقت نکال کر ہم سے باتیں بھی کیا کریں۔

سلیم: امّی جان محلے والوں کے کپڑے سیتی ہیں اور وہ انھیں اجرت دیتے ہیں، جو ہم خرچ کرتے ہیں۔

سلیم: کل میں نے امّی سے کہا تھا کہ میرے لیے بھی ایسے ہی کپڑے بنا دیں جیسے آپ سی رہی ہیں، تو امّی نے پہلے تو کہا۔ "بنا دوں گی"۔ پھر وہ رونے لگیں۔ باجی مجھ سے امّی جان کا رونا دیکھا نہیں جاتا۔

بانو: ابا جان ان سے ناراض ہو کر چلے گئے ہوں گے اسی لیے تو امّی روتی رہتی ہیں۔

سلیم: باجی! ابا جان ہمیں پیسے بھی تو نہیں بھیجتے۔ جب وہ گھر آئیں گے، مَیں ان سے بہت سے پیسے لوں گا۔

## دوسرا منظر

(بانو چٹائی پر بیٹھی ہے۔ سلیم ہاتھ میں لفافہ لیے ہوئے آتا ہے)

چٹائی پر بیٹھتے ہوئے کہتا ہے۔

سلیم: باجی جان! میں لفافہ لے آیا۔ اب تم خط لکھ دو۔ میں لیٹر بکس میں ڈال دوں گا، اور پھر ابا جان کو خط مل جائے گا۔

بانو: تم ایسی ہی بے کار باتیں کیا کرتے ہو (لفافہ دیکھ کر) یہ لفافہ کہاں سے لائے؟

سلیم: ڈاکخانے سے!

بانو: تمھارے پاس پیسے کہاں سے آئے؟

سلیم: پانچ دن سے جمع کر رہا ہوں۔ اچھی باجی جلدی سے خط لکھ دو!

بانو: کیسی باتیں کر رہے ہو۔ تم ابا جان کو کہاں خط بھیجو گے؟ ان کا پتا تمھیں معلوم ہے؟

سلیم: ہاں معلوم ہے۔ وہ اللہ میاں کے پاس رہتے ہیں۔

بانو: اللہ میاں کے پاس خط کون لے کر جائے گا؟

سلیم: ڈاکیا لے کر جائے گا۔ اچھی باجی لکھ دو نا! جلدی سے لکھ دو۔

بانو: مگر اللہ میاں کے ہاں تو کوئی بھی نہیں جا سکتا۔

سلیم: پھر ابا جان کیسے چلے گئے؟

بانو: بے کار باتیں مت کرو۔ جاؤ میں نہیں لکھتی۔

سلیم: اچھی باجی لکھ دو نا...... (رونے لگتا ہے)

بانو: اچھا بابا۔ بتاؤ کیا لکھوں؟

سلیم: (خوش ہو کر) باجی! ابا جی کو میرا سلام لکھ دو! اپنا سلام لکھ دو اور لکھ دو کہ آپ اللہ میاں کے ہاں سے گھر کیوں نہیں آتے؟ ہمارے لیے پیسے بھیجیے۔ امی جان ہم سے باتیں نہیں کرتیں، سارا دن کپڑے سیتی رہتی ہیں۔

(بانو کاغذ پر یہ باتیں لکھ دیتی ہے)

بانو: لو۔ لکھ دیا۔

سلیم: اب لفافے پر پتا بھی لکھ دو۔

بانو: (لفافے پر ''اللہ میاں کو مل کر سلیم کے ابا مسعود صاحب کو ملے'' لکھ کر اپنا پتا لکھتی ہے اور سلیم سے کہتی ہے) یہ لو۔ اب جاؤ مجھے کام کرنے دو۔

سلیم: (خوش ہو کر) لائیے۔ (لفافہ لے کر بند کرتا ہے اور باہر چلا جاتا ہے)

## تیسرا منظر

(سلیم کا مکان۔ سلیم اور بانو چٹائی پر بیٹھے باتیں کر رہے ہیں)

سلیم: باجی! ابا جان کو خط لکھے ہوئے کتنے دن ہو گئے؟

بانو: مجھے معلوم نہیں۔

سلیم: آٹھ دن سے زیادہ ہو گئے مگر ابا جان نے خط کا جواب ہی نہیں دیا..(دروازے پر ڈاکیا دستک دیتا ہے)

بانو: دیکھو سلیم کون آیا ہے؟

سلیم: (دوڑ کر جاتا ہے) کون صاحب ہیں؟

ڈاکیا: میں ڈاکیا ہوں۔ اپنی امّی سے کہو، منی آرڈر لے لیں۔

سلیم: منی آرڈر کیا ہوتا ہے؟

ڈاکیا: بیٹے تمھارے روپے آئے ہیں۔

سلیم: امّی! امّی! ابا جان نے ہمیں روپے بھیجے ہیں۔ وہ لے لو۔

سلیم کی امّی: تمھیں کیا ہو گیا ہے میرے بچے۔ پہلے تم نے خط لکھ کر ایک لفافہ برباد کیا۔ اب مجھے پاگل بنا رہے ہو کہ ابا جان نے رُوپے بھیجے ہیں! آہ!

ڈاکیا: بی بی! جلدی کرو۔ اپنا منی آرڈر لے لو۔

سلیم کی امّی دروازے پر آتی ہیں اور پُوچھتی ہیں۔

"منی آرڈر کہاں سے آیا ہے، کس کے نام ہے، کہیں آپ غلط پتے پر تو نہیں آ گئے؟"

ڈاکیا: نہیں بہن! میں مدّت سے اس علاقے میں ڈاک تقسیم کر رہا ہوں، منی آرڈر آپ ہی کا ہے صاف لکھا ہے۔ "بیوہ مسعود مرحوم" اور بھیجنے والے نے اپنا نام نہیں لکھا۔ صرف اتنا ہی لکھا ہے کہ قرض کے روپے واپس کر رہا ہوں۔

سلیم کی امّی: مگر بھائی صاحب! مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ یہ کیسا قرض ہے؟

سلیم: امّی جان! ابا جان نے پیسے بھیجے ہیں۔ لائیے صاحب مجھے دے دیجیے۔

ڈاکیا: بہن آپ بے فکر ہو کر منی آرڈر لے لیجیے۔ خدا نے ان بچوں کی مدد کی ہے۔

سلیم کی امّی: آخر قصہ کیا ہے؟ بھیا تم مجھے صحیح صحیح بتاؤ۔

ڈاکیا: آپ مجبور کرتی ہیں تو بتائے دیتا ہوں مگر ایک شرط پر کہ آپ کسی سے اس کا ذکر نہیں کریں گی۔ ہمارے پوسٹ ماسٹر صاحب کے پاس ایک بہت بڑے تاجر بیٹھے ہوئے تھے۔ خط چھانٹنے والے نے سلیم میاں کا خط لا کر پوسٹ ماسٹر صاحب کو دکھایا۔ وہ خط انھوں نے بھی دیکھ لیا۔ اس خط کا ان پر بہت اثر ہوا، اور انھوں نے سلیم اور بانو کے لیے سو روپے ماہوار وظیفہ مقرر کر دیا ہے۔

سلیم کی امّی: اللہ تیرا شکر ہے۔ (دستخط کر کے رُوپے لے لیتی ہے)

(امتیاز علی تاج)

# حضرت اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا

ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو ایک خاتون اپنے کم سن بیٹے کے ہم راہ آپؐ کی خدمت میں آئیں اور اسے آگے بڑھاتے ہوئے بولیں: ''اے اللہ کے پیارے رسولؐ! یہ میرا بیٹا انس ہے۔ اسے اپنے خادموں میں شامل کر لیں''۔ آپؐ نے خاتون کے خلوص کو پسند فرمایا اور بچے کے سر پر پیار دیا۔ یہ تھیں حضرت اُمِ سلیمؓ۔ اسلام کا چرچا تو مدینہ میں ہجرت سے پہلے ہی ہو چکا تھا۔ چنانچہ جب اسلامی تعلیمات اُمِ سلیمؓ تک پہنچیں تو آپؓ نے اسلام کو سچا دین سمجھ کر دل و جان سے قبول کر لیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے آپ کی دور کی رشتہ داری بھی تھی، اس لیے رسولؐ کی خالہ مشہور ہوئیں، لیکن رسولؐ سے بڑی نسبت تو ان کا اسلام کے لیے ذاتی اخلاص و ایثار تھا۔ اسلام لانے کے سبب انھیں اپنے شوہر سے، اور ان کے ننھے بیٹے انس کو اپنے باپ کے سائے سے محروم ہونا پڑا تھا کیوں کہ وہ اپنے باپ دادا کے مذہب کی بے قدری نہ دیکھ سکے اور ناراض ہو کر شام چلے گئے جہاں وہ فوت ہو گئے۔ حضرت اُمِ سلیمؓ کے بھائی اور والد نے بھی رسولؐ کے ساتھ جہاد میں شامل ہو کر خدمات انجام دی تھیں اور ان کے دوسرے شوہر حضرت ابوطلحہؓ یثرب والوں کی اس جماعت سے تھے جنھوں نے نبوّت کے تیرھویں سال مکہ جا کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بیعت کی تھی اور انھیں مدینہ تشریف لانے کی دعوت بھی دی تھی۔ تھوڑی ہی مدت بعد جب آنحضرتؐ مدینہ پہنچے تو حضرت ابوطلحہؓ اور حضرت اُمِ سلیمؓ دونوں نے بڑی گرم جوشی سے آپ کی آؤ بھگت کی۔ ان کے گھر کے دروازے ہمیشہ مہاجرین و انصار کی ملاقاتوں کے لیے کھلے رہتے۔ حضورؐ بھی وہاں تشریف لاتے اور مہاجرین و انصار کو ''بھائی بھائی'' بنانے کے لیے آپ نے جو کوششیں فرمائیں، ان کی کامیابی میں ان دونوں میاں بیوی کا بڑا ہاتھ تھا۔

حضرت اُمِ سلیمؓ کے دوسرے نکاح کا واقعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ آپؓ نے بیوگی کا کٹھن زمانہ اپنے بیٹے انسؓ کی تعلیم و تربیت میں گزارا اور نکاح کی خواہش کرنے والوں کو بچے کی پرورش کے بہانے ٹال دیتی رہیں۔ جب حضرت انسؓ ذرا بڑے ہو گئے تو انھی کے خاندان کے ایک شخص زید بن سہیل نے نکاح کا پیغام بھیجا۔ آپ زید کی خوبیوں سے ناواقف نہ تھیں لیکن دین کی غیرت آڑے آئی اور وہ بول اٹھیں: ''میں خدائے واحد کو ماننے والی، تم خود ساختہ خداؤں کو پوجنے والے! میرا تمھارا میل کیسے ہو؟'' اس دوٹوک جواب سے زید ٹھٹھر سے گئے۔ انھوں نے مذہب کے بارے میں غور و فکر سے کام لینا شروع کیا یہاں تک کہ انھیں اسلام کی سچائی کا یقین ہو گیا۔ انھوں نے حضرت اُمِ سلیمؓ کو دوبارہ پیغام بھیجا کہ میری مالی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے، اگر اسلام لے آؤں تو تمھارا حق مہر کیا ہوگا؟ جواب آیا کہ میں تم سے سوائے اسلام کے کسی اور حق مہر کی طلب گار نہیں ہوں۔ چنانچہ نکاح ہو گیا اور یہی زید بن سہیل اپنی کنیت کے لحاظ سے حضرت ابو طلحہؓ مشہور ہوئے اور ایک عظیم صحابی بنے۔

یہ دونوں میاں بیوی بدر، اُحد، خندق اور دوسرے غزوات میں شامل رہے، تاریخ کی کتابوں میں ہے کہ جنگ خیبر کے وقت حضرت اُمِ سلیمؓ جہاد کی لگن میں اکیلے ہی لشکر اسلام کے پیچھے پیچھے جا نکلیں جس پر حضورؐ نے سخت لہجہ میں پوچھا: ''تم کس کے ساتھ اور کس کی اجازت سے آئی ہو؟'' آخر ان کے خلوص کو دیکھ کر آپؐ نے میدانِ جنگ میں موجود رہنے کی اجازت دے دی۔

حضرت اُمِ سلیمؓ کے صبر و رضا کا یہ حال تھا کہ ان کا ننھا بیٹا ابوعمیر فوت ہوا تو شوہر گھر سے دور کہیں گئے ہوئے تھے، ماں نے میت کو کفن دے کر پاک چادر سے ڈھانپ دیا۔ ابوطلحہؓ رات گئے واپس آئے تو سیدھے بچے کے کمرے کی جانب لپکے۔ حضرت اُمِ سلیمؓ نے راستا روک لیا اور بولیں۔ ''بچہ ابھی ابھی سویا ہے آپ ادھر آئیں، پہلے منہ ہاتھ دھو لیں''۔ جب شوہر کا منہ ہاتھ دھلا کر کھانا بھی کھلا چکیں تو دھیمے دھیمے بڑی عاجزی سے کہنے لگیں: ''اگر آپ کے پاس کسی کی امانت ہو اور امانت رکھنے والا اپنی چیز واپس مانگے تو کیا آپ اس پر رنجیدہ ہوں گے''؟ ابوطلحہؓ بولے: جس کی چیز ہو اسے واپس دے دی جائے تو اس میں رنجش کی کیا بات ہے؟ حضرت اُمِ سلیمؓ نے کہا: آفرین! اے میرے مجازی خدا، اولاد بھی تو اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اگر وہ واپس مانگ لے تو کیا یہ صبر و شکر کا مقام نہ ہوگا؟

یہ تھا ایمان و اخلاص کا وہ سیدھا راستا جو صحابیہِ رسولؐ نے آنے والی نسلوں کے لیے روشن کر دیا۔ وہ نہ صرف خود اس راستا پر چلیں بلکہ اپنے شوہر نامدار کو بھی اس پر چلایا اور ثابت قدم بنایا۔

وہ اپنے نیک اعمال کا نمونہ پیش کر کے دین کی تبلیغ میں مدد دیتی رہیں۔ جہاد کے لیے خوشی خوشی نکلتیں، مجاہدین کو پانی پلاتیں، تیر اندازوں کو تیر پکڑاتیں، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتیں اور شہیدوں کے لیے گور کنی کے فرائض انجام دیتیں۔ مہمان نوازی انھیں ورثہ میں ملی تھی اور امورِ خانہ داری کا شوق ان کی گھٹی میں شامل تھا۔ وہ ایک نہایت سرگرم کارکن تھیں۔ آج بھی ان کی زندگی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

## مشق

1- حضرت اُمِ سلیمؓ نے اسلام کب اور کیسے قبول کیا؟

2- مدینہ تشریف لانے پر حضرت ام سلیمؓ نے حضورؐ کی کیا خدمت کی؟

3- حضرت اُمِ سلیمؓ نے اسلام کے لیے کیا خدمات انجام دیں؟

4- ابوعمیر کی موت پر بیوی نے اپنے شوہر کی کس طرح ڈھارس بندھائی؟

5- سرگرم کارکن کی حیثیت سے ام سلیمؓ کی زندگی آج بھی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔ کیسے؟

6- ان الفاظ کے معانی لکھیے۔

رنجش۔ آفرین۔ غزوات۔ رضا۔ محروم۔ مجازی خدا۔

7- نامدار (نام + دار)، طلبگار (طلب + گار) کے نمونوں پر دو دو لفظ اور بنائیے۔

8- مندرجہ ذیل کو جملوں میں استعمال کیجیے:

چرچا ہونا۔ محروم ہونا۔ آؤ بھگت کرنا۔ گھٹی میں ہونا۔ دھیمے دھیمے۔ غیرت

9- ذیل کی عبارت کو سلیس بنائیں:

مہمان نوازی انھیں ورثہ میں ملی تھی اور امورِ خانہ داری کا شوق ان کی گھٹی میں تھا۔ وہ ایک نہایت سرگرم کارکن تھیں۔ آج بھی ان کی زندگی ہمارے لیے مشعلِ راہ ہے۔

# سوہنی دھرتی

سوہنی دھرتی اللہ رکھے، قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد
سوہنی دھرتی اللہ رکھے، قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد

تیرا ہر اک ذرّہ ہم کو اپنی جان سے پیارا
تیرے دم سے شان ہماری تجھ سے نام ہمارا
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
ہم دیکھیں آزاد

سوہنی دھرتی اللہ رکھے، قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد

دھڑکن دھڑکن پیار ہے تیرا قدم قدم پر گیت رے
بستی بستی تیرا چرچا نگر نگر ہے میت رے
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
ہم دیکھیں آزاد

سوہنی دھرتی اللہ رکھے، قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد

تیری پیاری سج دھج کی ہم اتنی شان بڑھائیں
آنے والی نسلیں تیری عظمت کے گُن گائیں
جب تک ہے یہ دُنیا باقی ہم دیکھیں آزاد تجھے
ہم دیکھیں آزاد

سوہنی دھرتی اللہ رکھے، قدم قدم آباد تجھے
قدم قدم آباد

(مسرُور انور)

## مشق

-1 سوہنی دھرتی سے کیا مُراد ہے؟

-2 آخری بند کا مطلب اپنی کاپی میں لکھیے۔

-3 ان لفظوں کے معنی یاد کیجیے۔

دھڑکن۔ چرچا۔ نگر۔ سج دھج۔ عظمت۔ گن گائیں

-4 سب بچے مل کر یہ ترانہ گائیں۔











PUNJAB TEXTBOOK BOARD